U102217. 17-12-09.

Title – HAYAAT HAFIZ.

Creator – Shibli Nemani.

Publisher – Rangeen Press (Delhi).

Date – 1923.

Pages – 57.

Subject – Hafiz Sheerazi – Sawaneh – o – Tanqeed; Tazkira Shoray Farsi – Hafiz Sheerazi.

حیات حافظ

یعنی سوانح عمری خواجہ حافظ شیرازی

مولفہ شمس العلما مولانا شبلی نعمانیؒ

جس میں

نام و نسب، بچپن۔ سن رشد۔ اور شاعری کی شہرت۔ وفات اور اولاد
دنیاوی تعلقات۔ کلام پر رائے۔ غزل۔ اساتذہ کا تتبع۔ خواجہ صاحب
کی خصوصیات۔ جوش بیان۔ بدیع الاسلوبی۔ واردات عشق۔ فلسفہ
فلسفہ اخلاق۔ واعظین کی پردہ دری۔ روزمرہ و محاورہ خوشنوائی۔ بندش
کی چستی ظرافت وغیرہ

حسب فرمائش
سید ظہور الحسن۔ قومی پریس۔ دہلی۔ چھتہ لال میاں

۱۹۲۳ء
رنگین پریس دہلی میں چھپوا کے شائع کی

۵۰۰

قیمت ۸/

مختصر فہرست کتب قومی پریس دہلی چھتہ لال میاں

سفرنامہ روم و مصر و شام

مصنفہ مولانا شبلی نعمانی

جس میں علاوہ ان جنگی و دلچسپ واقعات کے جو سلسلہ بیان میں آگئے ہیں قسطنطنیہ بیروت بیت المقدس قاہرہ وغیرہ کے متعلق واقعات ذیل یعنی شہر کی عام اجمالی حالت قابل دید مقامات مشہور عمارات سررشتہ تعلیم دارالعلوم اور مدارس بورڈنگ اور طلباء کی تربیت تعلیم نسواں مصنفین اور تصنیفات کتب خانے۔ اخبارات اور رسالے مشہور پاشاؤں اور ارباب کمال کی ملاقات ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے قیمت عہ

المامون

یعنی نامور فرمان روایان اسلام کا پہلا اور دوسرا حصہ اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں تمہید ترتیب خلافت مامون رشید کی ولادت تعلیم و تربیت ولیعہدی تخت نشینی. خانہ جنگیاں فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں دوسرے حصہ میں ان مراتب کی تفصیل ہے جن سے اس عہد کے ملکی حالات اور مامون رشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے ان تمام کارناموں کی تفصیل ہے۔

قیمت فی جلد عہ

اورنگ زیب عالمگیر

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی کی جدید تالیف ہے۔

تاریخ اور واقعات کی تحقیق و تنقید میں مولانا کا پایا اظہر من الشمس ہے شہنشاہ عالمگیر پر جو الزامات وارد ہوتے ہیں بھائیوں کا قتل باپ کی گرفتاری تعصب مذہبی ہندوؤں کے ساتھ مخاصمت بت شکنی وغیرہ کے متعلق جو الزامات بیان کیے جاتے ہیں اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ ان اعتراض کو واقعات سے کوئی تعلق نہیں یہ با[illegible] پست نظر اورتنگ خیال افسانہ نویسوں کی [illegible] ہیں مولینا نے خود اس عہد کے [illegible] تمام واقعات کی تحقیق کی ہے اور [illegible] کی غلط فہمیوں پر روایت کی نظر ڈالی ہے قیمت ۱۰ر

الفاروق

یعنی سوانحعمری حضرت فاروق اعظم رضہ مولفہ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی رح قیمت ۲ سے

الغزالی

یعنی امام محمد [illegible] الغزالی رح مفصل سوانحعمری مولفہ مولانا شبلی رح قیمت عہ

مقالات شبلی جس میں مولانا شبلی رح کے وہ علمی اور تاریخی مضامین ہیں جو اب تک طبع نہیں ہوئے قیمت عہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ حافظ شیراز

تاریخ شاعری کا کوئی واقعہ اس سے زیادہ افسوسناک نہین ہوسکتا کہ خواجہ حافظ کے حالات زندگی اس قدر کم معلوم ہیں کہ تشنگان ذوق کے لب بھی تر نہیں ہو سکتے اس پایہ کا شاعر یورپ مین پیدا ہوا ہوتا تو اس کثرت اور تفصیل سے اس کی سوانح عمریان لکھی جاتین کہ اسکی تصویر کا ایک ایک خد و خال آنکھوں کے سامنے آجاتا، لیکن چاہے تمام تذکرہ نویسون نے جو کچھ لکھا ان سب کو جمع کر دیا جائے، تب بھی انکی زندگی کا کوئی پہلو نمایان ہوکر نہیں نظر آتا، جس قدر تذکرے ہیں سب ایک دوسرے سے ماخوذ ہیں، اور وہی چند واقعات ہیں جنکو بہ اختلاف الفاظ سب نقل کرتے آتے ہیں، ان سب میں عبد النبی فخر الزمانی نے اپنے تذکرہ میخانہ مین جو جہانگیر کے عہد میں ۱۰۲۸ھ میں لکھا گیا، ابتدائی حالات اورون کی بہ نسبت اچھے بہم پہنچائے ہیں حبیب السیر میں جستہ جستہ کچھ واقعات ملتے ہیں، خود حافظ کے کلام میں جا بجا واقعات کے اشارے ہین ان سب کو ترتیب دیکر ان کی زندگی کی تصویر کھینچتا ہوں، لیکن در اصل یہ تصویر نہیں بلکہ خاکہ ہے اور زیادہ سچ یہ ہے کہ خاکہ بھی نہین بلکہ محض چند لکیرین ہین،

نام و نسب | خواجہ صاحب کے دادا، اصفہان کے مضافات کے رہنے والے تھے، اتابکان شیراز کے زمانہ میں شیراز میں آئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی، خواجہ صاحب کے والد کا نام بہاء الدین تھا انھوں نے یہاں تجارت شروع کی اور کاروبار کو اس قدر ترقی دی کہ دولتمندوں میں انکا شمار ہونے لگا، بہاء الدین نے جب انتقال کیا تو تین بیٹے چھوڑے اُن کو اگرچہ باپ سے بہت بڑا ترکہ ملا تھا لیکن کسی کو انتظام کا سلیقہ نہ تھا، چند روز میں باپ کی کمائی سب اڑ گئی، بیٹے پریشان ہو کر کہیں کے کہیں نکل گئے، لیکن خواجہ صاحب کمسنی کی وجہ سے اپنی ماں کے ساتھ شیراز ہی میں رہ گئے، گھر میں فاقے ہونے لگے تو انکی ماں نے انکو محلہ کے ایک آدمی کے حوالہ کر دیا کہ اپنی خدمت میں رکھے، اور کھانے پینے کی کفالت کرے، لیکن یہ شخص بد اطوار تھا، خواجہ سن شعور کو پہونچے تو اسکی صحبت ناگوار ہوئی، چنانچہ اس سے قطع تعلق کر کے خمیر بنانے کا پیشہ اختیار کیا، آدھی رات سے اٹھکر صبح تک خمیر گوندھتے، گھر کے پاس ہی ایک مکتب خانہ تھا، محلے کے سب لڑکے اسمیں پڑھتے تھے، خواجہ صاحب اکثر اُدھر سے نکلتے، تو دل میں تعلیم کی تحریک پیدا ہوتی، رفتہ رفتہ شوق اس قدر بڑھا کہ مکتب میں داخل ہو گئے، خمیر سے جو کچھ حاصل ہوتا اس میں سے ایک تہائی ماں کو اور ایک معلم کو دیتے، بقیہ خیرات کرتے، مکتب میں قرآن مجید حفظ کیا، معمولی سواد خوانی کی بھی لیاقت حاصل کی، اس زمانہ میں شعر و شاعری کا گھر گھر چرچا تھا، محلے میں ایک بزاز رہتا تھا، وہ سخن سنج اور موزوں طبع تھا، اس مناسبت سے ارباب ذوق بھی اُسکی دوکان پر آ بیٹھتے تھے، اور شعر و سخن کے چرچے رہتے تھے، خواجہ صاحب پر بھی اس مجمع کا اثر ہوا، چنانچہ شاعری شروع کی، لیکن طبیعت موزوں نہ تھی، بے تکے شعر کہتے اور لوگوں کو تفریح طبع کا سامان ہاتھ آتا، رفتہ رفتہ اُن کی بلغو گوئی کی شہرت تمام شہر میں پھیل گئی، لوگ تفریح کے لیے اُن کو صحبتوں میں بلاتے اور لطف اٹھاتے، دو سال تک یہی حالت رہی لوگوں کا استہزا حد سے بڑھا تو ان کو بھی احساس ہوا، ایک دن نہایت رنجیدہ ہوئے اور بابا کوہی کے مزار پر جا کر پھوٹ پھوٹ کر روئے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ان کو لقمہ کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جا اب تجھ پر تمام علوم کے دروازے کھل گئے، نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جناب امیر علیہ السلام ہیں صبح کو اٹھے تو یہ غزل لکھی،

دوش وقت سحر از غصه نجاتم دادند — وندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

شہر میں آئے تو لوگوں نے حسب معمول شعر پڑھنے کی فرمایش کی، اُنھوں نے وہی غزل پڑھی سب کو حیرت ہوئی اور سمجھے کہ کسی سے یہ غزل لکھوالی ہے، امتحان کے لئے طرح دی، انھوں نے طرح میں بھی عمدہ غزل لکھی، اُسی وقت گھر گھر چرچا پھیل گیا،

یہ تمام واقعات عبدالنبی نے میخانہ میں لکھے ہیں، اسمیں اگرچہ خوش اعتقادی اور وہم پرستی نے بعض باتیں بڑھادی ہیں یا اصل واقعات کی صورت بدل دی ہی تاہم بہت کچھ اصل واقعات بھی ہیں،

خواجہ صاحب کے کمالات اور شاعری کا چرچا عام ہوا، دور دور سے سلاطین اور امرا نے اُن کے بلانے کے لئے خطوط بھیجے، خواجہ صاحب کے زمانہ میں شیراز میں متعدد حکومتیں قائم ہوئیں اور حسن اتفاق یہ کہ فرمانروا عموماً خود صاحب علم و فضل اور علما اور شعرا کے نہایت قدردان تھے

غازان خان (چنگیز خان کا پوتا) کے زمانہ میں غازان خان کی طرف سے محمد شاہ انجو، فارس اور شیراز کا حکمران مقرر ہو کر آیا تھا، اسکے خاندان میں سے شاہ ابو اسحاق خواجہ حافظ کے زمانہ میں تھا، وہ نہایت قابل اور فاضل تھا، خود شاعر اور شعرا کا مربی اور قدردان تھا، مگر اس کے ساتھ نہایت عیش پرور اور لہو لعب کا دلدادہ تھا، اس بنا پر گرچہ ملکی انتظامات بے اصول تھے، لیکن گھر گھر عیش و نشاط کے چرچے تھے، اور شیراز باغ ارم بن گیا تھا، خواجہ حافظ کی مستانہ غزلوں میں اس دور کا اثر شامل ہے،

شاہ ابو اسحاق کی عیش پسندی حد سے بڑھ گئی تو ۷۵۴ھ میں محمد مظفر نے اس پر لشکر کشی کی فوجیں شہر پناہ کے دامن میں آگئیں، لیکن ابو اسحاق کو کوئی شخص خبر نہیں کر سکتا تھا، امین الدین نے کہ مقرب خاص تھا، ابو اسحاق سے کہا کہ جوش بہار نے شہر کو چمنستان بنا دیا ہے، حضور ذرا بالاخانہ پر چلکر سیر فرمائیں، ابو اسحاق نے بالاخانہ پر چڑھکر دیکھا تو چاروں طرف فوجیں پھیلی ہوئی ہیں پوچھا کہ یہ کیا ہی؟ لوگوں نے عرض کیا کہ شاہ مظفر کا لشکر ہے مسکرا کر کہا عجب احمق ہی، اس بہار میں یوں اوقات خراب کرتا ہی یہ شعر پڑھکر نیچے اُتر آیا۔

بیا تا یک امشب تماشا کنیم — چو فردا شود فکر فردا کنیم

غرض مظفر نے شیراز فتح کر لیا، اور شاہ ابو اسحاق قتل کر دیا گیا، خواجہ صاحب کو سخت

رنج ہوا چنانچہ ایک قطعہ لکھا جس میں اس عہد کے تمام ارباب کمال کا تذکرہ کیا،

به عہد سلطنت شاہ شیخ ابو اسحاق | به پنج شخص عجب ملک فارس بود آباد
نخست بادشہے ہمچو او ولایت بخش | که گوئے فضل بہ بود او به عدل بخشش داد
دوم بقیہ ابدال شیخ امین الدین + | که بود داخل اقطاب و مجمع اوتاد
سوم چو قاضی عادل اصیل ملت و دین | که قاضی بہ ازو آسمان ندارد یاد
دگر چو قاضی فاضل عضد که در تصنیف | بنای شرح مواقف بنام شاه نهاد
دگر کریم چو حاجی قوام دریادل | که او به جود چو حاتم ہمی صلا در داد
نظیر خویش نہ بگذاشتند و بگذشتند | خدای عز و جل جمله را بیامرزاد

شاہ ابو اسحاق کے مرنے کا صدمہ، خواجہ صاحب کو مدت تک رہا، غزلوں میں بھی بے اختیار ابو اسحاق کا نام زبان پر آجاتا ہے،

راستی خاتم فیروزۂ بو اسحاقی | خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

ابو اسحاق کے بعد محمد بن مظفر مبارز الدین شیراز و فارس کا حکمران ہوا، وہ اصل میں خراسان کا باشندہ تھا، جس زمانہ میں سلطان ابو سعید نے وفات پائی اور طوائف الملوکی شروع ہوئی تو اس نے سنہ ۷۱۳ھ میں فوجیں فراہم کرکے آس پاس کے مواضع پر حملہ شروع کیا، سب سے پہلے یزد پر قبضہ کیا، رفتہ رفتہ اسکے حدود حکومت نہایت وسیع ہو گئے،

محمد بن مظفر نہایت متقشف تھا، تخت نشین ہونے کے ساتھ ہر جگہ محتسب مقرر کئے اور تمام میخانے بند کرا دیے، تذکرہ تقی الدین حسینی میں لکھا ہے کہ خواجہ حافظ نے اسی واقعہ پر یہ غزل

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلبیز است | به بانگ چنگ مخور مے که محتسب تیز است
در آستین مرقع، پیالہ پنہان کن + | که ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریز است
ز رنگ بادہ بشوئید، خرقہا از اشک | که موسم ورع و روزگار پرہیز است

خواجہ صاحب کے دیوان میں یہ غزل ہے جو شراب خانوں کے بند ہونیکا نہایت پر اثر مرثیہ ہے،

بود آیا که در میکده ہا بکشایند؟ | گره از کار فرو بستہ ما بکشایند
گیسو چنگ ببرید بمرگ مے ناب | تا ہمہ مغبچہ ہا زلف دو تا بکشایند

نامہ تعزیت دختر رز بنویسید — تا حریفان ہمہ خون از مژہ ہا بگشایند
در میخانہ ببستند خدایا مپسند — کہ در خانہ تزویر و ریا بگشایند
اگر از بہر دل زاہد خود بین بستند — دل قوی دار کہ از بہر خدا بگشایند

یہ غزل اسی زمانہ کی ہے۔

امیر مبارز الدین کا بیٹا شاہ شجاع جس کا ذکر آگے آتا ہے اُسنے بھی اس موقع پر ایک رباعی لکھی اور خوب لکھی

در مجلس دہر ساز مستی پست است — نہ چنگ بہ قانون و نہ دف بر دست است
رندان ہمہ ترک مے پرستی کردند — جز محتسب شہر کہ بے مے مست است

امیر مبارز الدین کے بعد اسکا بیٹا شاہ شجاع فرمان روا ہوا، وہ اس سلسلہ کا سرتاج اور علم اور فن کا پشت و پناہ تھا، وہ علم و فن کی گود میں پلا تھا، سات برس کے سن میں تعلیم شروع کی نو برس میں قرآن مجید حفظ کیا، قاضی عضد سے شرح مفصل وغیرہ پڑھی، حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ کے سننے میں عربی کے چھ سات شعر یاد ہو جاتے تھے، عربی اور فارسی میں اُسکے مکاتبات اہل ادب میں مقبول عام ہیں، علم و فضل کی قدردانی کی وجہ سے اسکا دربار علما و فضلا کا قبلہ حاجات تھا شعر بھی کہتا تھا، تقی الدین حسینی نے اپنے تذکرہ میں بہت سے اشعار لکھے ہیں ایک رباعی یہ ہے،

احوال بدم ز خلق پنہان مے کن — و احوال جہان بر دلم آسان می کن
امروز خوشم بدار فردا با من — انچہ از کرم تو مے سزد آن مے کن

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع سے پہلے میخانوں کی جو روک ٹوک تھی شاہ شجاع نے آزادی تجارت کے لحاظ سے اُٹھا دی، خواجہ صاحب کے دیوان میں ایک غزل ہے وہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے،

غزل یہ ہے،

سحر ز ہاتف غیبم رسید مژدہ بگوش — کہ دور شاہ شجاع است می دلیر بنوش
شد آن، کہ اہل نظر برکنارہ می رفتند — ہزار گونہ سخن بر دہان، و لب خاموش
بہ بانگ چنگ بگوییم آن حکایتہا — کہ از نہفتن آن دیگ سینہ میزد جوش
رموز مملکت خویش خسروان دانند — گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع کی آزاد پسندی نے میخواروں کو بہت آزاد کر دیا تھا، اس بنا پر خواجہ صاحب اس کے بہت ممنون ہیں، اور جو غزلیں شاہ شجاع کی مدح میں لکھی ہیں سب میں اس کا بڑے جوش سے تذکرہ کیا ہے،

قسم بہ حشمت و جاہ و جلال شاہ شجاع — کہ نیست با کم از بہر مال و جاہ و نزاع

بہ بین کہ رقص کنان می رود بہ نالہ چنگ — کسے کہ اذن نمی داد استماع سماع

ایک اور غزل میں کہتے ہیں،

چنگ در غلغلہ آید کہ کجا شد منکر — جام در قہقہہ آید کہ کجا شد مناع

عمر و خسرو طلب از نفع جہان می طلبی — کہ وجودیست عطا بخش و کریمی نفاع

مظہر لطف ازل روشنی چشم امل — جامع علم و عمل جان جہان شاہ شجاع

خواجہ صاحب نے اگرچہ جابجا اپنے اشعار میں شاہ شجاع کا نام مداحانہ انداز سے لیا ہے چنانچہ ایک غزل میں فرماتے ہیں

خیال آب خضر بست و جام کیخسرو — بہ جرعہ نوشی سلطان ابو الفوارس (شاہ شجاع کی کنیت) شد

لیکن شاہ شجاع خواجہ صاحب سے صاف نہ تھا، شجاع کے عہد میں خواجہ عماد فقیہہ مشہور عالم تھے، شجاع انکا نہایت معتقد تھا،

خواجہ عماد کی ایک بلی تھی جسکو انھوں نے اس طرح تعلیم دی تھی کہ جب وہ نماز پڑھتے تو بلی بھی نماز پڑھنے کے انداز سے جھکتی اور سر اٹھاتی، خواجہ حافظ نے اسی زمانہ میں ایک غزل لکھی،

صوفی بہ جلوہ آمد و آغاز ناز کرد — بنیاد مکر با فلک حقہ باز کرد

اس غزل میں ظرافت سے یا خواجہ عماد کو ریاکار سمجھکر خواجہ صاحب نے یہ شعر لکھا[1]

ای کبک خوش خرام کہ خوش می روی بناز — غرہ مشو کہ گربہ عابد نماز کرد

غالباً شجاع کی ناراضی کی ابتدا اسی شعر سے ہوئی، رفتہ رفتہ کشیدگی زیادہ بڑھتی گئی ایک دن شجاع نے خواجہ صاحب سے کہا کہ آپکی کوئی غزل یکسان اور ہموار نہیں ہوتی، ایک شعر میں تصوف دوسرے میں مے پرستی، تیسرے میں شاہد بازی، اس طرح ہر شعر میں رنگ بدلتا جاتا ہے،

خواجہ صاحب نے کہا ہاں، لیکن ان سب برائیوں کیساتھ بھی میری غزلیں میری زبان سے نکلکر تمام دنیا میں پھیل جاتی ہیں، بخلاف اور دن کے کہ انکا قدم شہر کے دروازے سے بھی باہر نہیں نکلتا،

۱ حبیب السیر،

شجاع کو اس گستاخانہ اور آزادانہ جواب پر اور زیادہ ملال ہوا،

الفاق یہ کہ اسی زمانہ میں خواجہ صاحب نے ایک اور غزل لکھی جسکا مقطع تھا،

گر مسلمانی این است کہ حافظ دارد　　　　وای اگر در پس امروز بود فردائے

شجاع نے یہ غزل سنی تو اس بہانہ سے کہ اس سے قیامت کا انکار یا کم از کم شبہ پایا جاتا ہے، خواجہ صاحب کو ستانا چاہا، خواجہ صاحب بہت پریشان ہوئے، حسن اتفاق یہ کہ مولانا زین الدین ابو بکر تائبادی حج کو جاتے ہوئے شیراز سے گزرے، خواجہ صاحب نے اُن سے یہ ماجرا بیان کیا انھوں نے صلاح دی کہ مقطع کے اوپر ایک اور شعر لکھدو جس سے مقطع دوسرے کا مقولہ بنجائے خواجہ صاحب نے اسیوقت کہا

دی دو بتیم چہ خوش آمد کہ سحر گہ می گفت　　　　بادف و بربط و نے، مغبچہ ترسائے

شاہ شجاع نے ۷۸۶ھ میں انتقال کیا، اسکے بعد شاہ منصور بن محمد مظفر بادشاہ ہوا، وہ بھی بڑی شان و شوکت کا بادشاہ تھا، خواجہ صاحب نے اسکی مبارکباد میں غزل لکھی،

بیا کہ رایت منصور بادشاہ رسید　　　　نوید فتح و ظفر تا بہ مہر و ماہ رسید

منصور کے عین عروج اقبال کا زمانہ تھا کہ تیمور نے شیراز پر حملہ کیا،

منصور اگرچہ نہایت دلیر اور صاحب عزم تھا، لیکن تیمور کی سطوت و عظمت کا غلغلہ تمام عالم میں پڑ چکا تھا، اسلئے چاہا کہ شیراز سے نکلجائے، شہر پناہ کے دروازہ پر پہنچا تو ایک بڑھیا نے کہا کہ ایک مدت تک بادشاہی کر کے رعایا کو مصیبت میں چھوڑ کر کہاں بھاگے جاتے ہو، منصور وہیں سے پلٹا اور صرف دو ہزار فوج سے، تیمور پر حملہ آور ہوا اور پے در پے تیمور کی فوجوں کو شکست دیتا ہوا قلب فوج تک پہنچگیا، تیمور پر تلوار کا وار کیا، قماری اتیاق نام ایک افسر نے بڑھکر تلوار کو سپر پر روکا، چار دفعہ پے در پے تلوار ماری لیکن ہر دفعہ قماری اتیاق سپر ہو جاتا تھا اور تیمور کو بچا لیتا تھا بالآخر فوجوں نے چاروں طرف سے ہجوم کر کے منصور کو قتل کر دیا، جسکا خود تیمور کو افسوس رہا، وہ کہا کرتا تھا کہ آجتک معرکوں میں کسی کو منصور کا ہمسر نہیں دیکھا،

تیمور نے خواجہ حافظ کو طلب کیا اور کہا کہ میں نے تمام عالم کو اسلئے ویران کیا کہ سمرقند اور بخارا کو کہ میرا وطن ہے آباد کروں، تم ان کو ایک تل کے عوض میں دیے ڈالتے ہو،

۱؎ حبیب السیر

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا　　بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

خواجہ صاحب نے کہا انہی فضول خرچیون کی بدولت تو اس فقر و فاقہ تک نوبت پہنچی ہے،

خواجہ صاحب کی غزلین اب چار دانگ عالم مین پھیل گئیں چنانچہ خود کہتے ہین،

بہ شعر حافظ شیرازی گویند و مے رقصند　　سیہ چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

اس زمانہ مین جس قدر سلاطین تھے سب آرزو رکھتے تھے کہ خواجہ صاحب کے کلام سے لطف اٹھائیں، چنانچہ عراق، عرب، ہندوستان، ہر جگہ سے شوقیہ خطوط آئے بغداد کا فرمان روا سلطان احمد بن اویس تھا جو تمام کمالات کا مجموعہ تھا، مصوری، زرنگاری، کمان سازی، خاتم بندی وغیرہ ان تمام فنون مین بڑے بڑے صناع اسکی شاگردی کا دم بھرتے تھے، موسیقی مین یہ کمال تھا کہ خواجہ عبدالقادر نے اسکی شاگردی اختیار کی اس فن مین اسکی متعدد تصنیفات ہین جو مدت تک گویون کا دستور العمل رہین، ان باتون کے ساتھ سخن سنج اور شاعر تھا[1]، خواجہ صاحب کو اسنے بار بار بلایا، خواجہ صاحب بھی للچائے، چنانچہ بعض غزلون مین اسکے اشارے بھی ہین لیکن پھر بھی رکنا باد کی خاک دامن نہین چھوڑتی تھی، چنانچہ فرماتے ہین،

نمی دہند اجازت مرا بہ سیر و سفر　　نسیم باد مصلّے و آب رکنا باد

خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھکر سلطان احمد کو بھیجی[2]،

احمد اللہ علی معدلۃ السلطان　　احمد شیخ اویس حسن ایلخانی

خان بن خان شہنشاہ شہنشاہ نژاد　　آن کہ می زیبد اگر جان جہانش خوانی

از گل فارسیم غنچۂ عیشے نہ شگفت　　حبذا دجلہ بغداد و مے ریحانی

بر شکن کاکل ترکانہ کہ در طالع تست　　دولت خسروی و منصب چنگیز خانی

اگرچہ خواجہ صاحب بغداد جا نہ سکے لیکن شوق کا کانٹا ہمیشہ دل مین کھٹکتا رہا، چنانچہ جا بجا اسکے اشارے پائے جاتے ہیں،

رہ نبردیم بہ مقصود خود اندر شیراز　　خرم آن روز کہ حافظ رہ بغداد کند

دکن مین سلاطین بہمنیہ کا دور تھا، اور سلطان شاہ محمود بہمنی مسند آرا تھا، وہ نہایت قابل اور صاحب کمال تھا، عربی اور فارسی دونون زبانون مین نہایت فصاحت اور

[1] دولت شاہ، [2] دولت شاہ،

روانی کے ساتھ شعر کہہ سکتا تھا، عام حکم تھا کہ عرب و عجم سے جو شاعر آئے اسکو پہلے قصیدہ پر ایک ہزار تنکہ جو ہزار تولہ سونے کے برابر ہوتے تھے، انعام میں دیے جائیں،

اسکی قدر دانیوں کا شہرہ سنکر خواجہ صاحب کو دکن کے سفر کا خیال ہوا، لیکن خیال ہی خیال تھا، یہ خبر میر فضل اللہ کو پہونچی جو محمود کے دربار میں صدارت کے منصب پر ممتاز تھے، اُنھوں نے زاد راہ بھیجکر طلبی کا خط لکھا، خواجہ صاحب نے اس روپیے میں سے کچھ بھانجوں کی ضروریات میں صرف کیے، کچھ ادائے قرض میں صرف ہوا، جو باقی رہگیا اس سے زاد راہ سفر کا سامان کرکے شیراز سے روانہ ہوئے، مقام لار میں پہونچے تو وہاں ایک دوست سے ملاقات ہوئی، جنکا مال اور اسباب حال ہی میں لٹ گیا تھا، خواجہ صاحب نے جو کچھ پاس تھا اُنکے حوالہ کردیا اور آپ خالی ہاتھ رہ گئے اتفاق یہ کہ خواجہ زین الدین ہمدانی اور خواجہ محمد کازرونی جو مشہور تاجر تھے، ہندوستان آرہے تھے اُنکو یہ حال معلوم ہوا تو خواجہ صاحب کے مصارف کے کفیل ہوئے، لیکن سوداگروں سے ایک نازک مزاج شاعر کی نازبرداریاں کہاں انجام پاسکتی ہیں، خواجہ صاحب کو رنج ہوا تاہم صبر کیا اور محمود شاہی جہاز پر جو دکن سے ہرمز کے بندرگاہ میں آیا تھا، اور ہندوستان کو واپس جارہا تھا سوار ہوئے سوء اتفاق یہ کہ جہاز نے لنگر بھی نہیں اٹھایا تھا کہ ہوا کا طوفان اٹھا، خواجہ صاحب فوراً جہاز سے اُتر آئے اور یہ غزل لکھکر فضل اللہ کو بھیجی،

دمے با غم بسر بردن جہان یکسر نمی ارزد — بہ می بفروش دلق ما کزین بہتر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج است — کلاہ دلکش است اما بہ دردسر نمی ارزد
بہ کوئے میفروشانش بہ جامے در نمی گیرند — زہی سجادۂ تقوی کہ یک ساغر نمی ارزد
بس آسان می نمود اول غم دریا بہ بوی در — غلط کردم کہ یک موجش بصد من زر نمی ارزد

فضل اللہ نے غزل سلطان محمود بہمنی کی خدمت میں پیش کی اور تمام ماجرا بیان کیا، سلطان نے ملا محمد قاسم مشہدی کو جو دربار کے فضلاء میں سے تھے، ایک ہزار تنکہ طلا دیا کہ ہندوستان کے عمدہ مصنوعات خرید کرکے لیجائیں اور خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کریں [1]

سلطان غیاث الدین بن سلطان سکندر فرمانروائے بنگالہ نے بھی جو ۷۶۸ھ میں تخت نشین ہوا تھا، خواجہ صاحب کے کلام سے مستفید ہونا چاہا، چنانچہ طرح کا یہ مصرع بھیجا،

[1] یہ پورا قصہ تاریخ فرشتہ میں ہے

ع ساقی حدیث سرو و گل و لالہ می رود

خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھکر بھیجی،

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ می رود ۔۔۔ وین بحث با ثلاثہ غسالہ می رود
شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند ۔۔۔ زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دین ۔۔۔ غافل مشو کہ کار تو از نالہ می رود

خواجہ صاحب نے ۷۹۳ھ میں وفات پائی، خاک مصلیٰ تاریخ ہے جس میں ایک عدد کی کمی ہے، مصلیٰ انکا محبوب مقام تھا، اسلئے دفن بھی یہیں ہوئے، سلطان بابر بہادر کے زمانہ میں محمد معمائی نے جو صدارت کی خدمت پر ممتاز تھا، خواجہ صاحب کا مقبرہ بصرف کثیر تیار کرایا جو ابتک قائم ہے انکے نام کی مناسبت سے اس جگہ کا نام حافظیہ ہوگیا ہے، ہفتہ میں ایک خاص دن مقرر ہے لوگ زیارت کو وہاں جاتے ہیں، وہیں دن بسر کرتے ہیں کھانے پکاتے ہیں، چا پیتے ہیں، کہیں کہیں شراب کا دور بھی چلتا ہے، کوئی رنگین مزاج خواجہ صاحب کے نام کا حصہ خاک پر گرا دیتا ہے، خواجہ صاحب نے پانچ سو برس پہلے کہدیا تھا

بر سر تربت ما چون گذری ہمت خواہ ۔۔۔ کہ زیارت گہ رندان جہان خواہد بود

آل و اولاد | خواجہ صاحب کی آزادہ مزاجی اور رندی سے قیاس ہوتا ہے کہ بیوی بچوں کے بکھیڑوں سے آزاد ہونگے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ شادی بھی کی تھی اور اولاد بھی تھی، صاحبزادہ کا نام شاہ نعمان تھا وہ ہندوستان میں آئے اور یہیں بمقام برہانپور وفات کی انکی قبر قلعہ اسیر کے متصل ہے،[۱]

دیوان میں ایک قطعہ ہے،

صباح جمعہ بدو سادس ربیع اول، ۔۔۔ کہ گشت فرقت آن مہ بکشتیم حاصل
بہ سال ہفتصد و شصت و چہار از ہجرت ۔۔۔ چو آب حل بشدم این دقیقہ مشکل

غالباً یہ قطعہ بیوی کی وفات میں لکھا ہے، ایک اور قطعہ ہے،

دلا دیدی کہ آن فرزانہ فرزند ۔۔۔ چہ دید اندر خم این طاق رنگین
بجای لوح سیمین در کنارش ۔۔۔ فلک بر سر نہادہ لوح سنگین

اگرچہ ممکن ہے کہ یہ قطعہ کسی اور جوانہ مرگ کی شان میں ہو، لیکن زیادہ قیاس یہی ہے کہ خود انہی کا کوئی فرزند تھا جو آغاز عمر میں گزر گیا تھا،

[۱] خزانہ عامرہ بحوالہ مرآۃ الصفا،

خواجہ صاحب کی تحصیل علم اور اُنکے مبلغ کا حال تذکرہ نویسوں نے مطلق نہیں لکھا، میخانہ سے جسکا حوالہ اوپر گذر چکا ہی صرف اس قدر معلوم ہوتا ہی کہ محلہ بن جی مکتب تھا اسمیں تعلیم پائی تھی، لیکن کلام سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ انھوں نے علوم درسیہ کی تحصیل مستعدانہ کی تھی، اکثر غزلوں میں عربی کے مصرعے جس برجستگی سے لاتے ہیں اس سے اُن کی عربیت کا اندازہ ہو سکتا ہی"

بعض غزلوں میں متعدد شعر خالص عربی میں ہیں اور سلاست و فصاحت میں جواب نہیں رکھتے

الا اے ساربان محمل دوست — الی رکبانکم طال اشتیاقی
درونم خون شد از نادیدن یار — الا نفیا لایام الفراق
بیا ساقی بدہ رطل گرانم — سقاک اللہ من کاس دہاق
خلانی الشیب من وصل العذاری — سوی تقبیل خد و اعتناق
سلام اللہ من کر اللیالی — علی ملاک المکارم والمعالی
فحبک راحتی فی کل حین — وذکرک مونسی فی کل حال
سبت سلمی بصدغیہا فوادی — وروحی کل یوم لی تنادی
گر تیغ بارد در کوے آن ماہ — گردن نہادیم الحکم للہ
الصبر مر والعمر فان — یا لیت شعری حتام القاہ

جا بجا عربی کے جملے اس خوبصورتی سے پیوند کرتے ہیں کہ گویا انگوٹھی پر نگین جڑ دیا ہی۔

چو ہست آب حیاتت بدست تشنہ ممیر — فلا تمت و من الماء کل شیء حی
بخیل بوے خدا نشنود بیا حافظ — پیالہ گیر و سخا ورز و الضمان علی

قرآن مجید اور تفسیر کے ساتھ اُن کو خاص لگاؤ تھا، دیوان کے دیباچہ میں لکھا ہی کہ تفسیر کشاف پر حاشیہ بھی لکھا ہی، خود فرماتے ہیں،

زحافظان جہان کس چو بندہ جمع نکرد — لطائف حکما با کتاب قرآنی

اس سے ثابت ہوتا ہی کہ خواجہ صاحب قرآن مجید کی تفسیر میں معقول کو منقول سے تطبیق دیتے تھے فن قرأت میں کمال تھا، اسکے ساتھ خوش آواز تھے، معمول تھا کہ ہمیشہ جمعہ کی رات کو مسجد کے مقصورہ میں تمام رات خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے،[1]

[1] ہفت اقلیم امین رازی

قرآن مجید حفظ یاد تھا اور اسی مناسبت سے حافظ تخلص رکھا تھا، قرآن دانی پر انکو ناز تھا چنانچہ
اشعار میں جابجا اسکے اشارے پائے جاتے ہیں،

ندیدم خوشتر از شعر تو حافظ — بہ قرآنے کہ اندر سینہ داری
صبح خیزی و سلامت طلبی چون حافظ — آنچہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردم

تجرد اور آزادی عام تذکروں کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب دنیاوی تعلقات سے آزاد تھے اور سلاطین و امراء سے بے نیاز رہتے تھے، لیکن خود انکے کلام سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی انکے زمانہ میں شیراز کے جو فرمان روا گذرے، سبکی مدح میں انکے قصائد موجود ہیں، اور اسی شان کے ہیں جو عام مدح گویوں کا انداز ہے۔ شاہ شجاع کی مدح میں نونہ قصیدہ ہے جس میں لکھتے ہیں،

دارای دہر شاہ شجاع آفتاب ملک — خاقان کامگار و شہنشاہ نوجوان
حکمش روان چو باد بر اطراف بحر و بر — مہرش روان چو روح در اعضای انس و جان
بے طلعت تو جان نگراید بہ کالبد — بے نعمت تو مغز نہ بندد در استخوان

سلطان ابو اسحاق کی مدح میں بڑے زور کا قصیدہ لکھا ہے، جسکا مطلع یہ ہے،

سپیدہ دم کہ صبا بوی بوستان گیرد — چمن ز لطف ہوا نکتہ بر جنان گیرد

مدح میں لکھتے ہیں،

جمال چہرۂ اسلام شیخ بو اسحاق — کہ ملک در قدمش زیب بوستان گیرد

سلطان محمود کی مدح مثنوی میں لکھی ہے جسکا ذکر آگے آئیگا، منصور کے وزراء میں ایک بد ہمت نے رائے دی تھی کہ علماء و فضلا کے وظیفے جنکی تعداد [illegible] تومان تھی بند کردیے جائیں، منصور نے مانا اسپر خواجہ صاحب نے قصیدہ لکھا ہے[1]

جوزا سحر نہاد حمائل برابرم — یعنی غلام شاہم و سوگند میخورم
منصور بن محمد غازی است حرز من — وز این خجستہ نام بر اعدا مظفرم
ای شاہ شیر گیر چہ گردد اگر شود — در سایۂ تو ملک فراغت میسرم

جابجا خود انکے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ سلاطین اور امرا کے نام مدحیں لکھکر بھیجیں کہ صلہ ہاتھ آئے، چنانچہ ایک قطعہ میں فرماتے ہیں،

[1] حبیب السیر

شاہ ہر سوزم نہ دید و بے سخن صد لطف کرد — شاہ یزدم دید و مدحش گفتم و ہیچم نہ داد

کار شاہان این چنین باشد تو ای حافظ مرنج — داور روزی رسان توفیق و نصرت شان دہاد

ایک اور قطعہ میں لکھتے ہیں،

خسروا داد گرا شیر دلا بحر کفا — اے کمال تو بہ انواع ہنر ارزانی

در دو سال انچہ بیندوختم از شاہ و وزیر — ہمہ بر بود بہ یکدم فلک چوگانی

غرض یہ بالکل غلط ہے کہ خواجہ صاحب ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ گئے تھے، اور کسب معاش کی کچھ فکر نکرتے تھے البتہ فرق یہ ہے کہ انکے تمام معاصرین بلکہ پیشرو نہایت ذلیل اور کمینہ طریقوں سے کام لیتے تھے۔ انوری۔ ظہیر فاریابی، سلمان ساوجی کس پایہ کے لوگ تھے لیکن سب کا یہ حال تھا کہ کسی کی مدح لکھی اور اسنے صلہ کم دیا یا دیر لگائی تو ہجو شروع کر دیتے تھے اور یہانتک نوبت پہنچاتے تھے کہ تہذیب و شایستگی آنکھیں بند کر لیتی تھی۔ ظہیر وغیرہ کے کلام میں سینکڑوں قطعے اور قصائد ہیں جنمیں اس درجہ کا گدایانہ ابرام ہے کہ انکو دیکھکر شرم آتی ہے، خواجہ صاحب ان سفلہ پن کی باتوں سے بری ہیں وہ مدح لکھتے ہیں، صلہ ملا تو بہتر ورنہ یہ کہکر چپ ہو جاتے ہیں کہ تقدیر میں نہ تھا، کبھی کبھی ہلکا سا تقاضا بھی کرتے ہیں۔ لیکن پیرایہ نہایت لطیف ہوتا ہے۔ ایک قطعہ میں فرماتے ہیں،

بسمع خواجہ رسان ای رفیق وقت شناس — بہ خلوتے کہ دران اجنبی صبا باشد

لطیفہ بہ میان آر و خوش بخندانش — بہ نکتہ کہ دلش را بدان رضا باشد

پس آنگہے ز کرم این قدر بپرس بلطف — کہ گر وظیفہ تقاضا کنم روا باشد

ایک اور قطعہ میں کس لطف سے کنایہ کیا ہے،

دوش در خواب چنان دید خیالم کہ سحر — گذر افتاد بر اصطبل شہم پنہانی،

بستہ بر آخور او استری من جو می خورد — توبرہ افشاند و بمن گفت مرا میدانی

ہیچ تعبیر نمی دانمش این خواب کہ چیست — تو بفرمائے کہ در فہم نداری ثانی

یعنی میں نے کل خواب دیکھا کہ میرا گذر شاہی اصطبل خانے کی طرف ہوا، وہاں میرا خچر جو کھا رہا تھا، مجکو دیکھکر اسنے توبڑہ کا رخ میری طرف کر کے جھاڑا، اور کہا کہ کیوں مجکو پہچانتے ہو؟ اس خواب کی مجکو کچھ تعبیر نہیں معلوم ہوتی، آپ بڑے نکتہ فہم ہیں، آپ ہی بتائیں کہ اس کی تعبیر کیا

مطلب یہ کہ گھوڑے کے دانے چارے کا سامان کر دیجئے،

معاشرت | انکے اشعار اور جستہ جستہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت سادگی اور آزادی سے بسر کرتے تھے، حافظ قرآن تھے، قرآن مجید کے نکات اور حقائق پر درس دیتے تھے، لیکن بااین ہمہ اظہار تقدس سے نہایت نفرت رکھتے تھے، صاف دل بے تکلف تھے، جو دل میں تھا وہی زبان پر تھا، کوئی برائی کرتے تو ریاکاری کے پردے میں چھپا کر نہ کرتے، رکنا باد جو ایک چشمہ ہے، شیراز کی مشہور سیر گاہ ہے، اب تو محض ذرا سی نہر رہ گئی ہے، خواجہ صاحب کے زمانہ میں وسیع چشمہ ہوگا، اسکے کنارے بیٹھکر عالم آب کا لطف اٹھاتے تھے، دوست احباب جمع ہوتے، ہر قسم کی صحبتیں رہتیں، اکثر اشعار میں مزے لیکر اسکا ذکر کرتے ہیں،

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت ‏ ‏ ‏ کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را

رکنا باد کے منبع کا نام اللہ اکبر ہے اسکا بھی ذکر جابجا کرتے ہیں،

فرق ہست ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست ‏ ‏ ‏ تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر ست

جو ارباب کرم ان سے اچھا سلوک کرتے تھے، اکثر غزلوں میں انکا ذکر احسانمندی کے ساتھ کرتے ہیں، یہ طریقہ انکا خاص انداز ہے،

بخواہ جام صبوحی بہ یاد آصف عہد + ‏ ‏ ‏ وزیر ملک سلیمان عماد بن محمود +

ع چہ غم دارم چو در عالم قوام الدین حسن دارم،

دریای اخضر فلک و کشتی ہلال ‏ ‏ ‏ ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

مطرب بپردہ سازی، شاید اگر بخواند ‏ ‏ ‏ از طرز شعر حافظ در بزم شاہزادہ

تو بہ این نازکی و سرکشی اے شمع چگل ‏ ‏ ‏ لائق بزمگہ خواجہ جلال الدینے +

باتو گر زین پس فلک خواری کند ‏ ‏ ‏ بازگو در حضرت دارائے

خسرو آفاق بخشش کز عطا + ‏ ‏ ‏ نامۂ حاتم ز نامش گشت طے

از برای صید دل در گردنم زنجیر زلف ‏ ‏ ‏ چون کمند خسرو مالک رقاب انداختی

نصرة الدین شاہ یحیی آنکہ تاج آفتاب ‏ ‏ ‏ از سر تعظیم و قدرت در تراب انداختی

اے در رخ تو پیدا انوار بادشاہی ‏ ‏ ‏ در فکرت تو پنہان صد حکمت الٰہی

عمرے ست پادشاہا کز می تہی ست جامم — اینک ز بندہ دعویٰ و از محتسب گواہی

انصاف پسندی | خواجہ صاحب اگرچہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ اُنکے تمام ہمعصر شعرا غزل گوئی میں اُنکے سامنے ہیچ تھے، تاہم وہ سب کو نہایت ادب سے یاد کرتے ہیں، بلکہ اپنے آپکو اُنکا پیرو کہتے ہیں خواجو کرمانی کی نسبت کہتے ہیں،

اُستاد غزل سعدی ست پیش ہمہ کس اما — دارد غزل حافظ طرز و روش خواجو

فخر کے جوش میں آکر کہتے ہیں،

چہ جائے گفتۂ خواجو و شعر سلمان ست — کہ شعر حافظ شیراز بہ ز شعر ظہیر

لیکن انصاف سے دیکھو تو یہ اُنکے لئے ننگ ہی، ظہیر کو غزل میں اُن سے کیا نسبت؟

اس زمانہ میں کمال خجند مشہور شاعر اور صاحب کمال تھے، خواجہ صاحب سے اُنسے بہت راہ و رسم تھی وہ خواجہ صاحب کی غزلیں منگوایا کرتے اور اپنا کلام اُنکو بھیجتے،

ایک دفعہ اُنہی یہ غزل بھیجی،

گفت یار از غیر پوشان نظر گفتم بہ چشم — وانگہے دزدیدہ در ما می نگر گفتم بہ چشم

غزل میں یہ شعر بھی تھا۔

گفت اگر سر در بیابان غمم خواہی نہاد — تشنگان را شربۂ از آب بر گفتم بہ چشم

خواجہ صاحب اس شعر پہ پہونچے، تو اُنپر حالت طاری ہوئی، افاقہ کے بعد کہا کہ واقعی اس شخص کا پایہ بہت بلند ہی[1]

کلام | تذکرہ میخانہ میں لکھا ہی کہ خواجہ صاحب کا دیوان صرف دو برس میں تیار ہوا لیکن یہ قطعاً غلط ہی خلاف قیاس ہونیکے علاوہ غزلوں میں جابجا جن لوگوں کے نام آتے ہیں اُنکے زمانوں میں برسوں کا آگا پیچھا ہی، خواجہ صاحب کی شہرت اگرچہ صرف غزل میں ہی لیکن اُنھوں نے قصائد اور مثنویاں بھی لکھی ہیں اور گو وہ تعداد میں کم ہیں، لیکن اُنسے اندازہ ہوتا ہی کہ شاعری کے تمام اصناف پر اُنکو قدرت حاصل تھی، عام خیال ہی کہ جو لوگ غزل اچھی لکھتے ہیں قصیدہ اور مثنوی اچھی نہیں لکھتے لیکن خواجہ صاحب کے قصیدے بھی کچھ کم نہیں، اور مثنوی میں تو وہ صفائی لطافت اور زور ہی کہ نظامی اور سعدی کا دہوکہ ہوتا ہی،

سر فتنہ دارد دگر روزگار — من و مستی و فتنۂ چشم یار

فریب جہان قصہ روشن ست — بہ بین تا چہ زاید شب آبستن ست

[1] دولت شاہ تذکرہ کمال خجند۔

همان مرحله است این بیابان دور　　که گم شد درو لشکر سلم و تور
همان منزل است این جهان خراب　　که دیده است ایوان افراسیاب
چه خوش گفت جمشید با تاج و گنج　　که یک جو نیرزد سرائے سپنج
مغنی کجائی به گلبانگ رود　　به یاد آور آن خسروانی سرود
مغنی بزن چنگ بر ارغنون　　ببر از دلم فکر دنیای دون
چنان برکش آهنگ این داورے　　که ناهید چنگی برقص آورے
مغنی دف و چنگ را ساز ده　　به یاران خوش نغمه آواز ده
مغنی کجائی نوائے بزن　　به یکتائی او دو تائے بزن
بیا ساقی این نکته بشنو زنے　　که یک جرعه مے به ز دیهیم کے
بیا ساقی آن آب اندیشه سوز　　که گر شیر نوشد شود بیشه سوز
بیا ساقی آن آتش تابناک　　که زردشت می جویدش زیر خاک
بده تا بگویم ز آواز نے +　　که جمشید کے بود و کاؤس کے
می ده که بدنام خواهم شدن　　خراب می و جام خواهم شدن
بیا ساقیا مے که تا دم زنیم　　قلم بر سر هر دو عالم زنیم +
سبک باش و رطل گرانم بده　　وگر فاش نتوان نهانم بده
که این چرخ و این انجم و آبنوس　　بسے یاد دارد ز بهرام و طوس
بده ساقی آن آب افسرده را　　بیا زنده ساز این دل مرده را
که هر پاره خشتے که بر منظری است　　سر کیقبادے و اسکندری است
هر آن گل که در گلستانی بود +　　مه عارض دلستانی بود +
هر آن شاخ سروے که در گلشن است　　قد دلبر و زلف سیمین تنے است

خواجہ صاحب اگرچہ قصیدہ اور مثنوی میں بھی اساتذہ سے پیچھے نہیں، لیکن انکا اصلی اعجاز غزل گوئی ہی ہے یہ عموماً مسلم ہے کہ عالم وجود میں آجتک کوئی شخص غزل میں انکا ہمسر نہو سکا، متوسطین و متاخرین غزل کے بزم آرا ہیں، لیکن انکو تسلیم ہے کہ خواجہ صاحب کا انداز کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

روا ست صائب اگر نیست از رہ دعوی | تتبع غزل خواجہ گرچہ بے ادبی ست
صائب چہ توان کرد بہ تکلیف عزیزان | ورنہ طرف خواجہ شدن بے بصری بود

ع، چو شعر حافظ شیراز انتخاب ندارد،

سلیم معتقد نظم خواجہ حافظ باش | کہ نشہ بیش بود در شراب شیرازی

عرفی نے کبھی غزل میں کسی استاد کا نام نہیں لیا، تاہم کہتا ہے،

ہر آن تتبع حافظ روا ست چون عرفی | کہ دل بکاوو ذوق در سخنوری داند

خواجہ صاحب کی غزل گوئی

غزل کی بنیاد سعدی نے ڈالی اور امیر خسرو اور حسن نے اسکو ترقی دی ساتوین صدی کا چمن انہی بلبلوں کے زمزموں سے گونج رہا تھا کہ سلمان ساوجی اور خواجو کرمانی نے نغمہ سنجی شروع کی، سعدی اور خسرو کے آگے اگرچہ انکو فروغ نہیں ہو سکتا تھا، لیکن یہ دونوں اور صنائع سخن یعنی قصیدہ اور مثنوی میں اسقدر ممتاز اور نامآور تھے کہ اس اثر نے غزل میں بھی کام دیا اسکے ساتھ ان لوگوں نے غزل میں کچھ جدتین بھی پیدا کین جو زمانہ کے مذاق کے موافق تھیں اسلئے وہ بھی ہر دلعزیز ہو گئے، اس سے بڑھکر یہ کہ سلطنت نے بھی ساتھ دیا، سلمان بغداد کے ملک الشعرا اور خواجو ابو اسحاق فرمانروائے شیراز کے دربار میں سب سے ممتاز تھے،

اساتذہ کا تتبع

غرض خواجہ حافظ نے آنکھیں کھولیں تو سلمان اور خواجو کا رنگ ملک پر چھایا ہوا تھا خواجہ صاحب نے دونون کا زمانہ پایا ہوا تھا اور اتفاق یہ کہ خواجو نے جب ۷۵۳ھ میں شیراز میں وفات پائی، تو دفن اسی مقام یعنی اللہ اکبر میں ہوئے جو حافظ کی خاص سیرگاہ تھی، اور جسکی شان میں فرماتے ہیں،

فرق است ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست | تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر ست

خواجہ صاحب نے غزل گوئی شروع کی تو خواجو کے کلام کو سامنے رکھکر کہنا شروع کیا چنانچہ خود فرماتے ہیں،

ع دارد سخن حافظ طرز روش خواجو،

جو غزلیں ہم طرح ہیں انمین جا بجا مصرعے تک لڑ گئے ہیں اور مضامین اور ترکیبیں تو کثرت سے متوارد ہیں سلمان کی غزلون پر بھی اکثر غزلیں ہیں اور انمیں بھی اس قدر جا بجا توارد ہے کہ لوگوں کو دونوں کے کلام میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے، یہانتک کہ بعض بعض غزلیں دونوں کے دیوان میں موجود ہیں اور ایک نقطہ کا فرق نہیں، اسی بنا پر بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ انہوں نے حافظ خواجو اور سلمان کے

دیوانوں میں نہایت خلط ملط کر دیا ہی،

خواجہ صاحب کے کلام کا خواجو وغیرہ سے موازنہ کرنا اگرچہ اس لحاظ سے غیر ضروری ہی کہ آج کسی کو حافظ کی ترجیح میں کلام نہیں، بلکہ خواجہ صاحب کی غزلوں کے مقابلہ میں خواجو اور سلمان کی غزلوں کا کوئی نام بھی نہیں جانتا، لیکن شاعری کی تاریخ کا یہ ایک ضروری باب ہی کہ شاعری کی ترقی کے تدریجی مدارج دکھائے جائیں یہ ایک واقعہ ہی کہ سعدی، خواجو اور سلمان ہی کے خاکے ہیں، جن پر حافظ نے نقش آرائیاں کی ہیں، اسلیے اُنکے باہمی امتیاز اور تدریجی ترقی کا دکھانا مصنف کا ضروری فرض ہی،

سعدی اور خسرو اور حسن نے غزل میں زیادہ تر عشق و عاشقی کے جذبات اور معاملات بیان کرتے تھے خواجو نے دنیا کی بے ثباتی، وسعت مشرب، اور رندی و مستی پر زیادہ زور دیا، اکثر غزلیں پوری کی پوری صرف دنیا کی بے ثباتی پر ہیں مثلاً یہ غزل،

پیش صاحب نظر آن ملک سلیمان باد است   بلکہ آن است سلیمان کہ زملک آزاد است
این کہ گویند کہ بر آب نہادہ ست جہان   مشنو ای خواجہ اگر چون درنگری بر باد است

یا مثلاً یہ غزل

مشو بہ ملک سلیمان و مال قارون شاد   کہ مال و ملک بود در رہ حقیقت باد،

خواجہ صاحب نے بھی انہی مضامین پر شاعری کی بنیاد رکھی ہے،

سلمان کا خاص مذاق، مضمون آفرینی، جدت تشبیہ اور صنائع لفظی ہی، خواجہ حافظ بھی ان چیزوں کو لیتے ہیں لیکن یہ اُنکا خاص انداز نہیں سعدی، خسرو اور حسن کا کلام ہمہ تن عشق، سوز و گداز بیان، شوق، ناامیدی اور حسرت ہی، خواجہ صاحب سعدی کی بھی تقلید کرتے ہیں، چنانچہ اکثر غزلیں اُنکی غزلوں پر لکھی ہیں، لیکن وہ فطرۃً شگفتہ مزاج اور ولولہ خیز طبیعت رکھتے تھے، اسلیے درد و غم کے نوحے اُنسے اچھی طرح ادا نہیں ہوتے، خواجہ صاحب نے سعدی، خواجو، سلمان کے جواب میں جو غزلیں لکھی ہیں اُنمیں سے بعض ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ استاد اور شاگرد کے فرق مراتب کا اندازہ ہو سکے،

خواجو   خرقہ رہن خانۂ خمار دارد پیر ما   ای ہمہ رندان مرید پیر ساغر گیر ما
دوش از مسجد سوی میخانہ آمد پیر ما   چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما   حافظ

خواجہ صاحب کا مطلع ہر پہلو سے خواجو کے مطلع سے بڑھا ہوا ہی، اور یہ محتاج اظہار نہیں،

گر شدیم از بادہ، بدنام جہان تدبیر چیست　　　در خرابات مغان ما نیز ہمدستان شدیم
ہمچنیں رفت ست از روز ازل تقدیر ما　　　کایں چنیں رفت ست از روز ازل تقدیر ما

خواجہ صاحب نے خواجو ہی کے مضمون اور الفاظ کو الٹ پلٹ کر دیا ہی، اور افسوس ہی کہ کچھ بھی ترقی نہیں کی، دوسرا مصرع تو حرف حرف خواجو ہی کا مصرع ہی، پہلا مصرع خواجو کا زیادہ برجستہ ہی اور صاف، اسکے ساتھ تدبیر اور تقدیر کا مقابلہ نہایت بے تکلفی سے آیا ہی خواجہ صاحب نے یہی بھی کھو دیا، خواجو کے مصرع کا مطلب یہ ہی کہ شراب نے اگر ہمکو رسوا کر دیا تو علاج کیا؟ تقدیر یوں ہی تھی، خواجہ صاحب کہتے ہیں ہمکو بھی مغون کا ساتھ دینا پڑا، تقدیر میں یہی لکھا تھا، خواجہ صاحب کو مضموں کے لحاظ سے بھی کچھ ترجیح نہیں،

خو: ما دل دیوانہ در زنجیر زلفت بستہ ایم　　　عقل اگر داند کہ دل در بند زلفش چون خوش است
خواجہ: ای بسا عاقل کہ شد دیوانہ از زنجیر ما　　　عاقلان دیوانہ گردند از پے زنجیر ما

مضمون وہی خواجو کا ہی، خواجہ صاحب نے یہ بات اضافہ کی کہ عاقلوں کے دیوانہ زنجیر ہونیکی وجہ ظاہر کر دی یعنی یہ کہ زلف کی قید کسقدر پر لطف ہی اسکے علاوہ خواجہ صاحب کا پہلا مصرع زیادہ صاف اور ڈھلا ہوا ہی لیکن خواجو کے مصرع میں ایک خاص نکتہ ہی جو خواجہ صاحب کے یہاں نہیں، خواجو کہتا ہی کہ میرا دیوانہ دل زنجیر زلف میں پھنس گیا، یہ وہ زنجیر ہی کہ عاقل بھی اسکے دیوانے بنگئے، جس سے اس بات کی معذرت نکلتی ہے کہ جب عقلا اس زنجیر میں پھنستے ہیں تو دیوانہ کا پھنسنا کیا تعجب ہی؟ اسکے علاوہ دیوانوں کو عموماً زنجیر میں باندھتے ہیں، اسلیے دلکا زلف میں گرفتار ہونا قدرتی بات تھی، خواجہ صاحب نے دلکی دیوانگی کا کچھ ذکر نہیں کیا، اسلیے گرفتاری کی کوئی معقول وجہ نہیں، خواجو کے ہاں عاقل و دیوانہ کے لفظی تقابل نے جو لطف پیدا کیا ہی، خواجہ صاحب کے یہاں وہ بھی نہیں،

خو: از خدنگ آہ عالم سوز ما غافل مشو　　　تیر آہ ما ز گردوں بگذرد جانان خموش
خواجہ: کز کمان نرم زخمش سخت باشد تیر ما　　　رحم کن بر جان خود پرہیز کن از تیر ما

مضمون وہی خواجو کا ہی، خواجہ صاحب نے کوئی ترقی نہیں دی، بلکہ اسکے لطف کو کم کر دیا، خواجو نے معشوق سے صرف اسقدر کہا تھا کہ وہ غافل مشو، خواجہ صاحب وہ خاموش اور رحم کن بر جان خود سے معشوق کو خطاب کرتے ہیں، جو آداب عشق کے بالکل خلاف ہے،

خو: ای صبا خبرے کن ہمرازان کہ تو دانی　　　نسیم صبح سعادت بران نشان کہ تو دانی　　　خواجہ

بدان زمین گذرے کن بدان زبان کہ تو دانی
چو مرغ در طیران آئی وچون بہ اوج رسی
نزول ساز دران آشیان کہ تو دانی
چنان مرو کہ غبارے بدو رسد زگذارت
بدان طرف چو رسیدی چنان بدان کہ تو دانی

گذر بکوی فلان کن دران زمان کہ تو دانی
تو پیک حضرت شاہی مرا دو دیدہ براہست
بہ مردمی نہ بفرمان ببر ہر آن کہ تو دانی
بگو کہ جان ضعیفم زدست رفت خدا را
زلعل روح فزایت ببخش از ان کہ تو دانی
من این دو حرف نوشتم چنان کہ غیر ندانست
تو ہم ز روی کرامت بخوان چنان کہ تو دانی

دونوں نے صبا کو قاصد بنایا ہی اور اُسکو ہدایتین کی ہیں، خواجو نے صبا کو مرغ سے اور معشوق کے گھر کو آشیانہ سے تشبیہ دیکر بدمزگی پیدا کردی، لیکن آخر کا شعر نہایت لطیف ہے یعنی اے صبا اس طرح آہستہ اور مؤدب جانا کہ گرد تک نہ اُٹھنے پائے اور بتانے کی کیا حاجت ہی؟ تو تو خود آداب دان ہی جیسا مناسب سمجھنا کرنا۔

خواجہ صاحب کا مطلع نہایت برجستہ ہی، صبا کے بدلے نسیم اور اسپر صبح سعادت کی قید نے لطف پیدا کردیا ہی، خواجو کے مصرع میں زمین و زبان کا جو لفظی تناسب تھا تکلف سے خالی نہ تھا، پہلے خواجہ صاحب نے اُسکو اڑادیا "بدان زمین" کے بجای "بکوی فلان" کا کنایہ زیادہ لطیف ہی دوسرا شعر بھی نہایت لطیف ہی، کہتے ہیں کہ تو شاہی قاصد ہی، میں تجکو حکم نہیں دیسکتا البتہ مروت اور انسانیت کے اقتضا سے توقع رکھتا ہون، اخیر شعر بحد زیادہ پرمزہ ہی معشوق سے کہتے ہین کہ مین نے یہ دو سطریں اس طرح چھپا کر لکھی ہیں کہ غیروں کو خبر نہیں ہونے پائی، تم بھی اسی طرح پڑھنا جیسا مناسب ہو یعنی کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔

خواجو — دل درین پیرزن عشوہ گر دہر مبند
کین عروسے ست کہ در عقد بسی داماد است

حافظ — مجو درستی عہد از جہان بے بنیاد
کہ این عجوزہ عروس ہزار داماد است

مضمون وہی ہی لیکن خواجہ صاحب کی بندش میں ذرا حُسن ہی، پہلے مصرع میں صرف اسقدر کہنا چاہیے کہ دنیا میں دل نہ لگاؤ پھر اسکی وجہ بتانی چاہیے کہ یہ ایک ایسی عجوزہ ہی جو ہزاروں کے نکاح میں ہے۔ خواجو نے پہلے ہی کہہ دیا کہ عجوزۂ دہر سے دل نہ لگاؤ حالانکہ جب پہلے ہی عجوزہ کہدیا

تو اس دلیل کی ضرورت نہیں ہی کہ وہ کثیر الازواج ہی کیونکہ بڑھیا سے یوں بھی انسان کو محبت نہیں ہوتی، خواجہ صاحب نے پہلے دنیا کی برائی کو مطلق حیثیت سے بیان کیا پھر ایک ساتھ نفرت کی دو وجہیں بتائین یعنی یہ بوڑھی ہے اور کثیر الازواج بھی ہی،

خواجو — منزل از یار قریب است چہ دوزخ چہ بہشت | ہمہ کس طالب یارند چہ ہشیار چہ مست
سجدہ گر بہ نیاز است چہ مسجد چہ کنشت | ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت — خواجہ

خواجو کے شعر کو خواجہ صاحب کے شعر پر ترجیح ہی۔ اول تو خواجو نے مطلع میں جسمین قافیہ کی پابندی ہو جاتی ہی، ایسے وسیع مضمون کو ادا کیا ہی، اسکے ساتھ دونوں عالم کی دونوں چیزیں لے لین یعنی دوزخ اور بہشت، مسجد اور کنشت ان سب کے علاوہ مسجد کی تنکیر اور تعمیم اور نیاز کی قید نے جو لطف پیدا کیا ہی، خواجہ صاحب کے ہاں مطلق نہیں، خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ مسجد اور گرجا دونوں عشق کے گھر ہیں اور ایک ہی چیز ہیں خواجو دونوں کو مخالف تسلیم کر کے کہتا ہی کہ سجدۂ نیاز وہ چیز ہی کہ مخالف اور موافق ہر جگہ ادا کیا جا سکتا ہی اسمین یہ بھی اشارہ ہی کہ سجدۂ نیاز گرجا میں بھی ادا کیا جائے تو مسجد بنجائے

خواجو — کے برکنم دل از رخ جانان کہ مہر او | عشق تو در وجودم و مہر تو در دلم
باشیر در دل آمده با جان بدر شود | با شیر در بدن شد و با جان بدر شود — خواجہ

خواجہ صاحب نے جس طرح اس مضمون کو ترقی دی ہی محتاج اظہار نہیں،

خواجو اور خواجہ صاحب کی غزلین اکثر ہم طرح ہیں اختصار کے لحاظ سے ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں

خواجہ صاحب نے سلمان کی اکثر غزلوں پر غزلین لکھی ہیں جن میں کہیں سلمان کی تقلید کی ہی کہیں سلمان سے مضمون کو لیکر زیادہ دلکش پیرایہ میں ادا کیا ہی کہیں سلمان کے آئینہ کو زیادہ جلا دیدی ہی

سلمان — آوازۂ جمالت تا در جہان فتادہ | عید است و موسم گل ساقی بیار بادہ
خلقے بہ جستجویت سر در جہان نہادہ | ہنگام گل کہ دیدست بے می قدح نہادہ — خواجہ

دونوں مطلع بالکل الگ الگ ہیں ان میں کوئی موازنہ نہیں ہو سکتا،

سودای زہد خشکم بر باد داده حاصل | گل رفت اے حریفان غافل چرا نشینید
مطرب بزن ترانہ، ساقی بیار بادہ | بے بانگ رود و چنگے بے یار و جام بادہ

سلمان کا دوسرا مصرع نہایت برجستہ اور مستانہ ہے،

ما ہم بستہ دل را در لعل دلگشایت | زین زہد و پارسائی بگرفت خاطر من
آن لب بہ خندہ بکشا تا دل شود کشادہ | ساقی پیالہ دہ تا دل شود کشادہ

صنعت تضاد کا دونوں نے لحاظ رکھا ہی، لیکن سلمان کے الفاظ زیادہ صاف ہیں یعنی بستن و کشادن، گرفتن اور کشادن میں بھی گو یہی صنعت ہی، لیکن گرفتن کے یہ اصلی معنی نہیں ہیں بلکہ محاورہ نے یہ معنی پیدا کئے ہیں، اسکے علاوہ دل کے کھلنے کی توجیہ سلمان کے ہاں لفظاً اور معنیً دونوں لحاظ سے زیادہ روشن ہی، یعنی تو لب کھول تو ہمارا دل بھی کھلے، کیونکہ ہمارا دل تیرے لبوں میں بندھا ہوا ہے، پیالہ سے دل کھلنے میں یہ بات نہیں،

سلمان: سودائیان زلفت گرد تو حلقہ بستہ | در مجلس صبوحی، دانی چہ خوش نماید
حافظ: شوریدگان ہویت در یکدگر فتادہ | عکس عذار ساقی بر جام مے فتادہ

مضمون کے لحاظ سے دونوں شعر الگ الگ ہیں البتہ قافیہ مشترک ہی اور سلمان کے ہاں اچھا بندھا ہی، یون بھی سلمان کا شعر اچھا ہی،

سعدی اور حافظ

شیخ سعدی کے جواب میں بھی گو اکثر غزلیں ہیں لیکن درحقیقت دونوں کے راستے الگ الگ ہیں اسلیے اسمین موازنہ نہیں ہو سکتا، تاہم متعدد مضامین خواجہ صاحب نے شیخ سعدی سے لیے ہیں لیکن انکے اسلوب کو اس طرح بدل دیا ہی کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ موتی انہی قطروں سے بنے ہیں، مثالیں جدت اسلوب کے عنوان میں آئیں گی،

خواجہ صاحب کی خصوصیات

ہم نے دیکھا، خواجہ صاحب اپنے اساتذہ یا حریفوں سے طرحی غزلوں میں چنداں بلند رتبہ نہیں ہیں، انکی شاعری کے مہمات مضامین بھی انکا ذاتی سرمایہ نہیں، بلکہ خیام کے ابر قلم کے رشحات ہیں، بااین ہمہ انکی غزلوں نے دنیا میں جو غلغلہ برپا کر دیا، اسکے آگے سعدی، خسرو، خواجو، سلمان کی آوازیں بالکل پست ہوگئیں اسکا کچھ سبب ہوگا، اور وہی خواجہ صاحب کی خصوصیات شاعری ہیں۔ یہ خصوصیات اگرچہ درحقیقت ذوقی اور وجدانی ہیں جو صرف مذاق سلیم سے تعلق رکھتے ہیں تاہم جسقدر ضبط تحریر میں آسکتا ہی وہ حسب ذیل ہے،

حقیقت یہ ہی کہ خواجہ صاحب کی شاعری میں متعدد ایسی جمع ہوگئی ہیں جنکا مجموعہ اعجاز بن گیا ہی، ممکن ہی کہ انمیں سے ایک ایک چیز کو الگ الگ لیں تو اوروں کے ہاں نکل آئے لیکن خواجہ صاحب

کا کلام ع "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا مصداق ہی،

انمیں بعض اوصاف ایسے بھی ہیں جو اوروں کے کلام میں اس درجہ تک نہیں پائے جاتے مثلاً روانی، برجستگی اور صفائی، یہ وصف سعدی اور خسرو کا بھی بہ الامتیاز ہی لیکن یہ ایسی چیز ہے جسکے مدارج کی حد نہیں، ممکن ہے کہ ایک شعر خود نہایت رواں اور صاف و شستہ ہو، لیکن ایک اور شعر اس سے بھی بڑھکر ہو، اور اس سے بھی بڑھکر کوئی اور شعر ہو جسطرح نغمہ اور حسن کہ انکے مدارج ترقی کی کوئی حد نہیں،

ایک اور چیز جو خواجہ صاحب کی شاعری کا نہایت نمایاں وصف ہی جوش بیان ہی اسی طرح تنوع مضامین بھی، ان سے پہلے اس قدر نہ تھا، چنانچہ ہم انکے کلام کے تمام اوصاف کو الگ الگ عنوان ذیل میں لکھتے ہیں،

جوش بیان فارسی شاعری، باوجود ہزاروں گوناگون اوصاف اور خیالات کے جوش بیان سے خالی ہی، فردوسی اور نظامی کے ہاں خاص خاص موقعوں پر جوش بیان کا پورا زور ہی لیکن وہ اوروں کے خیالات اور واردات ہیں، خود شاعر کے حالات اور جذبات نہیں، بخلاف اسکے خواجہ حافظ کے کلام میں جو جذبات ہیں وہ خود انکے واردات اور حالات ہیں اسلئے انکو وہ اس جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں کہ ایک عالم چھا جاتا ہی جوش بیان کے لئے کسی مضمون یا کسی خیال کی خصوصیت نہیں، ہر مضمون اور ہر خیال جوش کے ساتھ ظاہر کیا جا سکتا ہی، البتہ اختلاف نوعیت کی وجہ سے صورتیں بدل جاتی ہیں مثلاً شاعر جوش مسرت کا بیان کرتا ہو تو اس انداز سے کرتا ہی کہ گویا آپے سے باہر ہوا جاتا ہی، قہر اور غضب کا بیان ہی تو معلوم ہوتا ہی کہ دنیا کا مرقع الٹ دیگا، دنیا کی بے ثباتی کا مذکور ہی تو معلوم ہوتا ہی کہ تمام عالم ہیچ ہی، غصہ اور غضب کا مضمون ہی تو نظر آتا ہی کہ منھ سے انگارے برس رہے ہیں،

خواجہ صاحب نے سیکڑوں گوناگون خیالات ادا کئے ہیں اور جس خیال کو ادا کیا ہی اس جوش کیساتھ کیا ہی کہ سننے والے پر وہی اثر طاری ہو جاتا ہی جو خود خواجہ صاحب کے دل میں ہوتا ہی،

دنیا کی بے اعتباری
اعتمادے نیست بر دور جہان — بلکہ بر گردون گردان نیز ہم
سرود مجلس جمشید گفتہ اند این بود — کہ جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند

استقلال و ثبات قدمی
حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش ست — ما ہمانیم کہ بودیم و ہمان خواہد بود

وجد و ذوق
در نمازم خم ابروئے تو ام یاد آمد — حالتے رفت کہ محراب بہ فریاد آمد

افسانۂ عشق کی لاویزی
از صدای سخن عشق ندیدم خوشتر — یادگاری کہ درین گنبد دوار بماند

بادہ خور غم مخور و پند مقلد مشنو ... اعتبار سخن عام چہ خواہد بودن +
می ترسم از خرابی ایمان کہ مے برد ... محراب ابروئے تو حضور نماز من
زان پیشتر کہ عالم فانی شود خراب ... مارا بہ جام بادۂ گلگون خراب کن
فیض روح القدس ار باز مدد فرماید ... دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد
ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم ... از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس
داستان در پردہ مے گویم و لے ... گفتہ خواہد شد بہ دستان نیز ہم
محتسب داند کہ حافظ مے خورد ... آصف ملک سلیمان نیز ہم
رنگ و تزویر پیش ما نبود ... شیر سرخیم و افعی سیہیم
گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر ... تا سحرگہ ز کنار تو جوان برخیزم
ای نور چشم من سخنے ہست گوش کن ... تا ساغرت پر است بنوشان و نوش کن
بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات ... با دردکشان ہر کہ در افتاد برافتاد
سوز آہ سینۂ سوزان من + ... سوخت این افسردگان خام را

واعظ کی — واعظ اور پند کی تحقیر — مستی کی تعریف — کمال کسی پر محدود نہیں — ہمہ تن وفا و محبت ہونا — اعلان راز — ظاہر و باطن یکساں ہونا — معشوق کی روح افزائی — جود و کرم کی ترغیب — غرور کے نتائج کا انجام — سوز دل کا اثر

جوش بیان کا اصلی موقع وہاں آتا ہے جہاں کسی خاص جذبہ کا اظہار کرنا ہوتا ہے مثلاً رنج و غم فخر و ناز غیظ و غضب یا عشق و محبت،

خواجہ صاحب پر رندی اور سرمستی کا جذبہ غالب تھا، ان کے تمام کلام میں یہ جذبہ اس جوش اور زور کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ فارسی شاعری کی ہزار سالہ زندگی میں اسکی نظیر نہیں ملسکتی اس کے اندازہ کرنے کے لئے پہلے ایک رند سرمست کی حالت کا تصور باندھو کہ جب وہ مستی کے جوش و خروش میں ہوتا ہے، تو اسکے دل میں کیا کیا خیالات آتے ہیں، وہ مزے میں آکر پکارتا ہے کہ مجکو نام و ننگ کی کچھ پروا نہیں ساقی پیالہ پر پیالہ دیئے جا، اور کسی سے نہ ڈر، زاہد کیا جانتا ہے کہ جام میں کیا کیا گونا گون عالم نظر آتے ہیں، مطرب سے کہدو یہ ترانہ گائے کہ تمام دنیا پر میری حکومت ہے، کل خاک میں جانا ہی ہے آج کیوں نہ عالم میں غلغلہ ڈالدوں تم مجھے حقیر سمجھتے ہو شراب خانہ میں آؤ تو تم کو نظر آئے کہ میری کیا شان ہے؟ میرے ہاتھ میں جو پیالہ ہے جمشید کو بھی نصیب نہوا ہوگا، میں شراب آج سے نہیں پیتا، مدت سے آسمان اس غلغلہ سے گونج رہا ہے، صوفی اور واعظ راز دانی کی شیخیان بگھارتے

ہیں، حالانکہ جو کہتے ہیں مجھی سے سُن لیا تھا، یہ عالم لطف اُٹھانے کے لئے کافی نہیں، آؤ آسمان کی چھت توڑکر ایک اور نیا عالم بنائیں خواجہ صاحب ان خیالات کو اسی جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں جس طرح ایک سرمست کے دل میں آتے ہیں،

ابھی یہ بحث چھوڑدو کہ خواجہ صاحب کی شراب معرفت کی شراب ہے یا انگور کی مستی دونوں میں ہے اور یہاں صرف مستی سے غرض ہے،

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم   فلک را سقف بشکافیم و طرح نو در اندازیم

آؤ پھول برسائیں اور شراب پیالہ میں ڈالیں   آسمان کی چھت توڑ ڈالیں اور نئی بنا ڈالیں

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد   من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

اگر غم عاشقوں کے مقابلہ کیلئے فوج تیار کرے، تو ہم اور ساقی دونوں ایکا کرکے اسکی جڑ اکھاڑ کر پھینکدیں

چو در دست است رودے خوش بزن مطرب سرودے خوش   کہ دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم

رند مستی میں آکر جب گاتا ہے تو دونوں طرف ہاتھ جھٹکتا ہے، پاؤں زمین پر دے دے مارتا ہے سر کو داہنے بائیں جھٹکے دیتا ہے، یہ شعر بعینہ اس حالت کی تصویر ہے،

ساقی بہ نور بادہ برافروز جام ما   مطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم   اے بیخبر ز لذت شرب مدام ما

ساقیا برخیز و درده جام را   خاک بر سر کن غم ایام را ٭

گرچہ بدنامی است نزد عاقلان   ما نمی خواہیم ننگ و نام را

تا ز میخانہ و مے نام و نشان خواہد بود   سر ما خاک رہ پیر مغان خواہد بود

حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش است   ما ہمانیم کہ بودیم و ہمان خواہد بود

بر سر تربت ما چون گذری ہمت خواہ   کہ زیارتگہ رندان جہان خواہد بود

عاقبت منزل ما وادی خموشان است   حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز

حاصل کارگہ کون و مکان این ہمہ نیست[۱]   بادہ پیش آر کہ اسباب جہان این ہمہ نیست

ساقی بیار بادہ و با مدعی بگو ٭   انکار ما مکن کہ چنین جام جم نداشت

خوش وقت رند مست کہ دنیا و آخرت   از دست داد و ہیچ غم بیش و کم نداشت

[۱] یعنی کچھ ایسی کائنات نہیں،

ما می به بانگ چنگ امروز می خوریم ‌ ‌ پس دیر شد که گنبد چرخ این صدا شنید

سرّ خدا که عارف و سالک بکس نگفت ‌ ‌ در حیرتم که باده فروش از کجا شنید

ساقی بیا که عشق ندا می کند بلند ‌ ‌ کان کس که گفت قصه ما هم ز ما شنید

من ترک عشق بازی و ساغر نمی کنم ‌ ‌ صد بار توبه کردم و دیگر نمی کنم

من رند و عاشق و آنگاه توبه ‌ ‌ استغفر الله استغفر الله

ما زاهد و تقوی کمتر شناسیم ‌ ‌ یا جام باده یا قصه کوتاه

شراب و عیش نهان چیست کار بی بنیاد ‌ ‌ زدیم بر صف رندان و هر چه بادا باد

سخن درست بگویم نمی توانم دید ‌ ‌ که می خورند حریفان و من نظاره کنم

گدای میکده ام لیک وقت مستی بین ‌ ‌ که ناز بر فلک و حکم بر ستاره کنم

نه قاضیم نه مدرس نه مفتیم نه فقیه ‌ ‌ مرا چکار که منع شراب خواره کنم

با من خاک نشین خیز و سوی میکده آی ‌ ‌ تا ببینی که در آن حلقه چه صاحب جاهم

ای خوشا حالت آن مست که در پای حریف ‌ ‌ سر و دستار نداند که کدام اندازد

خوشتر از فکر می و جام چه خواهد بودن ‌ ‌ چون خبر نیست که انجام چه خواهد بودن

پیر میخانه چه خوش گفت معمای دوش ‌ ‌ از خط جام که فرجام چه خواهد بودن

باده خور غم مخور و پند مقلد مشنو ‌ ‌ اعتبار سخن عام چه خواهد بودن

غم دنیای دنی چند خوری باده بخور ‌ ‌ حیف باشد دل دانا که مشوش باشد

ساقی بیا که شد قدح لاله پر ز می ‌ ‌ طامات تا بچند و خرافات تا به کی

بشنیدم چه طرز گفت حرام است می مخور ‌ ‌ گفتم برو که گوش به هر خر نمی کنم

که برد؟ به نزد شاهان ز من گدا پیامی ‌ ‌ که بکوی می فروشان دو هزار جم به جامی

صبح است ژاله می چکد از ابر بهمنی ‌ ‌ برگ صبوح ساز و بزن جام یک منی

ساقی بهوش باش که غم در کمین ماست ‌ ‌ مطرب نگاه دار همین ره که میزنی

بیا که رونق این کارخانه کم نشود ‌ ‌ ز زهد همچو تویی یا ز رندی چو منی

ما مرد زهد و توبه و طامات نیستیم ‌ ‌ با ما به جام باده صافی خطاب کن

زان پیشتر کہ عالم فانی شود خراب — مارا بہ جام بادۂ گلگوں خراب کن

یہ مضامین کہ دنیا چار دن کی چاندنی ہے اسکے لئے جھگڑوں اور بکھیڑوں میں پڑنے سے کیا حاصل کھاؤ پیو لطف اٹھاؤ اور دنیا سے گزر جاؤ سو سو طرح بندھ چکے ہیں اور خیام کی تمام شاعری کی یہی کائنات ہے لیکن خواجہ صاحب کے ہاں جو جوش بیان پایا جاتا ہے فارسی شاعری اس سے خالی ہے

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش — کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش

کمند صید بہرامی بیفگن جام مے بردار — کہ من پیمودم این صحرا نہ بہرام است نہ گورش

مے دو سالہ و محبوب چاردہ سالہ — ہمیں بس است مرا صحبت صغیر و کبیر

دو یار زیرک و از بادہ کہن دو منے — فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے +

من این مقام بہ دنیا و آخرت ندہم — اگرچہ درپیم افتند خلق انجمنے +

دنیا کی شان و شوکت جاہ و جلال دہوم دھام انکو للچانا چاہتے ہیں لیکن انکے دل سے یہ صدا آتی ہے کہ تا کے؟ یہ نیرنگیاں کب تک؟ اس جھوٹے طلسم کے لئے زندگی کو کیوں آلودہ کیا جائے۔

بس کن ز کبر و ناز کہ دیدہ است روزگار — چین قبائے قیصر و طرف کلاہ کے

حاصل کارگہ کون و مکان اینہمہ نیست — بادہ پیش آر کہ اسباب جہان اینہمہ نیست

بیفشان جرعۂ بر خاک و حال اہل شوکت بین — کہ از جمشید و کیخسرو ہزاران داستان دارد

گرہ بہ باد مزن گرچہ بر مراد وزد + — کہ این سخن بہ مثل باد با سلیمان گفت

یہ فلسفہ خواجہ صاحب پر اسقدر چھا گیا تھا کہ بوریائے فقر انکو مسند جمشید نظر آتا تھا، وہ خود اس خیال میں مست تھے اور چاہتے تھے کہ اور لوگ بھی اس عالم کا لطف اٹھائیں وہ مناظر قدرت سے بہار سے آب رواں سے سبزہ و مرغزار سے لطف اٹھاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ خوش عیشی کا یہ عالم ہر شخص کو نصیب ہو سکتا ہے اس بنا پر وہ تمام دنیا کو خوش عیشی کی تعلیم دیتے تھے یونان میں اپکیورس کی بھی یہی تعلیم تھی لیکن وہ فلسفی تھا اس لئے جو کچھ کہتا تھا فلسفہ کے انداز میں کہتا تھا خواجہ صاحب شاعر تھے اور فطری شاعر تھے اس لئے اونھوں نے خوش عیشی کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ زمین سے آسمان تک جوش مسرت سے لبریز نظر آتا ہے اور یہی شاعری کا اصلی کمال ہے:

عید است ساقیا قدحے پر شراب کن — دور فلک درنگ ندارد شتاب کن

نوش باده که ایام غم نخواهد ماند ✦ چنان نماند چنین نیز هم نخواهد ماند
دمی با غم بسر بردن جهان یکسر نمی ارزد ✦ بمی بفروش دلق ما کزین بهتر نمی ارزد
شکوه تاج سلطانی که بیم جان درو درج است ✦ کلاه دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد
غم دنیای دنی چند خوری باده بخور ✦ حیف باشد دل دانا که مشوش باشد
خوشتر از فکر می و جام چه خواهد بودن ✦ چون خبر نیست که انجام چه خواهد بودن

بہار سے لطف اٹھاتے ہین،

نفس باد صبا مشک فشان خواهد شد ✦ عالم پیر دگرباره جوان خواهد شد
ارغوان جام عقیقی به سمن خواهد داد ✦ چشم نرگس به شقائق نگران خواهد شد
مطربا مجلس انس است غزل خوان شعر ✦ چند گوئی که چنین است و چنان خواهد شد
بلبل ز شاخ سرو به گلبانگ پهلوی ✦ می خواند دوش درس مقامات معنوی
مرغان باغ قافیه سنجید و بذله گو ✦ تا خواجه می خورد به غزلهای پهلوی
درویشیم و گدا و برابر نمی کنیم ✦ پشمین کلاه خویش به صد تاج خسروی
خوش فرش بوریا و گدائی و خواب امن ✦ کین عیش نیست درخور اورنگ خسروی
آخر الامر گل کوزه گران خواهی شد ✦ حالیا فکر سبو کن که پر از باده کنی
ای که در کوی خرابات مقامی داری ✦ جم وقت خودی ار دست به جامی داری
ای که با زلف و رخ یار گذاری شب و روز ✦ فرصتت باد که خوش صبحی و شامی داری
می خواه و گل افشان کن از دهر چه می جوئی ✦ این گفت سحرگه گل بلبل تو چه می گوئی
مسند به گلستان بر شاهد و ساقی را ✦ لب گیری و رخ بوسی می نوشی و گل بوئی

خواجہ صاحب کے اس خاص کمال (جوش بیان) کا اندازہ اسوقت اچھی طرح ہو سکتا ہے جب انہی مضامین کے متعلق اور اساتذہ کے کلام کا موازنہ کیا جائے نمونہ کے لئے ہم صرف چند شعرون پر اکتفا کرتے

سلمان ✦ حافظ

رندی و عاشقی و قلاشی ✦ عاشق و رند و نظر بازم و میگویم فاش
هیچ شک نیست که در ما همه هست ✦ تا بدانی که به چندین هنر آراسته ام

حافظ	سلمان
راز درون پردہ ز رندان مست پرس	درون صافی از اہل صلاح وزہد مجوی
کین حال نیست صوفی عالی مقام را	کہ این نشانہ رندان دردی آشام ست
گرچہ بدنامی ست نزد عاقلان	مکن ملامت رندان وگر بہ بدنامی +
مانمی خواہیم ننگ و نام را +	کہ ہرچہ پیش تو ننگ ست نزد ما نام ست
جلوہ بر من مفروش ای ملک الحاج کہ تو	غرض از کعبہ و بت خانہ توئی سلمان را
خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم	چکنم خانہ بے خانہ خدا باید رفت
فاش می گویم و از گفتہ خود دلشادم	من ازان روز کہ در بند توام آزادم
بندہ عشقم و از ہر دو جہان آزادم	بادشاہم چو بدست تو اسیر افتادم
یارب این باکہ توان گفت کہ آن نوشین لب	ای گنج نوشدارو درخستگان نظر کن
کشت ما را و دم عیسی مریم با اوست	مرہم بدست و ما را مجروح می گزاری

بدیع الاسلوبی یعنی جدت وخوبی ادا

اکثر مضامین ایسے ہیں جو مدتوں سے بندھتے آتے تھے یا بندھے نہ تھے لیکن بجائے خود معمولی مضمون تھے، جن میں کوئی دلفریبی نہ تھی خواجہ صاحب کے جدت اسلوب اور جدت ادا نے اسکو نہایت دل آویز اور لطیف کر دیا، مثلاً معشوق کی آنکھ کو سب مخمور، سرشار اور مست کہتے آئے ہیں، خواجہ صاحب اسی بات کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں،

ہر کس کہ بدید چشم او گفت   کہ محتسبے کہ مست گیرد

یعنی جسنے اسکی آنکھ دیکھی بول اُٹھا کہ کہیں محتسب نہیں کہ مست کو گرفتار کرے،

معشوق کی زلف کو بنفشہ پر ترجیح دینا معمولی بات ہے خواجہ صاحب اسکو اس طرح ادا کرتے ہیں،

بنفشہ طرہ مفتول خود گرہ میزد   صبا حکایت زلف تو درمیان انداخت

یہ مضمون اس طرح ادا کیا ہے کہ تصویر کھینچ دی ہے، بنفشہ گویا ایک حسین اور جمیلہ ہے، اسکی زلفیں نہایت خوبصورت اور گھونگر والی ہیں، وہ بڑے ناز و انداز سے بیٹھی ہوئی چوٹی میں گرہیں لگا رہی ہیں، اتنے میں صبا کہیں سے آنکلی، اپنے معشوق کی زلفوں کا ذکر چھیڑ دیا بنفشہ عین غرور و ناز کی حالت میں شرمندہ ہوگئے جدت میں جدت یہ ہے کہ نتیجہ یعنی بنفشہ کا شرمندہ ہوجانا بیان نہیں کیا کہ اسکے اظہار کی ضرورت نہیں

زاہد کی نسبت یہ خیال ظاہر کرنا مقصود تھا کہ گو وہ شراب وغیرہ استعمال نہیں کرتا تاہم چونکہ اسکی فتوحات اور نذور، ریا اور زور کے ذریعہ سے ہاتھ آتی ہیں اس لئے وہ بھی حرام سے کم نہیں ما اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے،

ترسم کہ صرفہ نہ برد روز باز خواست — نان حلال شیخ ز آب حرام ما

یعنی مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن شیخ کی حلال روٹی، میرے آب حرام (شراب) سے بازی لیجا سکے جدت پہلو کے ساتھ ہر لفظ ایک خاص لطف پیدا کرتا ہے،

ترسم سے دکھانا ہے کہ میں اس بات کو بطور شماتت کے نہیں کہتا، بلکہ ہمدردی کے لحاظ سے مجھکو کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہیں ایسا نہو، قیامت کو باز خواست کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ کھوٹے کھرے کے پرکھنے کا دن ہے،

نان حلال، اور آب حرام کے مقابلہ نے علاوہ صنعت اضداد کے جو نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے، اصل مضمون کو نہایت بلیغ کر دیا ہے، یعنی زاہد کی روٹی باوجود حلال ہونے کے، میرے آب حرام سے بازی نہ لیجائے، تو زاہد کے لئے کس قدر افسوس کا سبب ہوگا،

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد — کہ مے حرام ولے بہ ز مال اوقاف است

اس طرز ادا کی بلاغت پر لحاظ کرو، اول تو اس امر کا اعتراف کہ شراب گو حرام سہی لیکن مال وقف سے بہر حال اچھی ہے، خود فقیہ کی زبان سے کرایا ہے، اسکے ساتھ مست کی قید لگا دی ہے جس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ فقیہ سچی بات کا اظہار یوں کا ہیکو کرتا مست تھا اسلئے پس و پیش کا خیال نہ آیا اور جو دل میں تھا زبان سے کہہ گیا،

زاہد خدا کا تصور جو دلوں میں قائم کراتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ مجسم قہر و غضب ہے، ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہوتا رہتا ہے اور نہایت بے رحمانہ سزائیں دیتا ہے لیکن اہل نظر کے نزدیک خدا سراپا لطف اور رحم ہے، اس مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہیں،

پیر درد سے کش ما گرچہ ندارد زر و زور — خوش عطا بخش و خطا پوش خدائے دارد

"خدائے" کی تنکیر نے کیا لطف پیدا کیا ہے، گویا ایسا خدا بہت غیر معروف ہے زاہد وغیرہ سے اس سے مطلق شناسائی نہیں،

یہ مضمون کہیں سنے معشوق کا انتخاب ایسی دیدہ وری سے کیا کہ ہر شخص نے اسکی داد دی

اسکو یوں ادا کرتے ہیں،

ہر کس کہ دید روی تو بوسید چشم من   کارے کہ کرد دیدہ من بے بصر نکرد

یعنی جسنے تیرا چہرہ دیکھا میری آنکھیں چوم لیں کہ کیا عمدہ انتخاب ہی، میری آنکھ نے جو کام کیا دیکھ بھال کے کیا،

شاہد بازی کی نسبت یہ عذر خواہی کہ اور لوگ بھی تو کرتے ہیں، عام مضمون ہی سعدی فرماتے ہیں،

گر کند میل بہ خوبان دل من خردہ مگیر   کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اسی مضمون کو خواجہ صاحب جدید اور لطیف اسلوب سے ادا کرتے ہین،

من ارچہ عاشقم و رندو مست نامہ سیاہ   ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہ اند

شعر کا ظاہری مطلب یہ ہی کہ مین اگرچہ گنہگار اور نالائق ہون لیکن خدا کا شکر ہی کہ شہر میں اور لوگ پاکیزہ اخلاق ہیں جنکی برکت سے میری شامت اعمال کا اثر اور ونپر نہ پڑے گا لیکن حقیقت میں یہ اور ونپر در پردہ چوٹ ہی، سعدی نے کھلے لفظوں میں کہدیا خواجہ صاحب کنایۃً ادا

خدا کے عفو کے بھروسے پر شراب پینے کی جرات اس پیرایہ میں لاتے ہیں،

بیار بادہ بخوزان کہ پیر میکدہ دوش   بسے حدیث غفور و رحیم و رحمن گفت

اس موقع پر خدا کے متعدد نام جنسے رحم اور مغفرت کا اظہار ہوتا ہی، لانا کس قدر بلاغت ہی، دنیا کی بے ثباتی کو اس انداز میں کرتے ہیں،

سرود مجلس جمشید گفتہ اند این بود +   کہ جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند

مطلب یہ ہی کہ دنیا کا کچھ اعتبار نہیں اسلیئے یہ چند روزہ زندگی عیش و عشرت میں گذار دو کل خدا جانے کیا ہوگا، اس مضمون کے لئے کس قدر بلیغ پیرایہ اختیار کیا ہے، عیش اور کامیابی میں جمشید سے نام آور تاہم خود اسکی مجلس میں یہ راگ گایا جاتا تھا، اس سے بڑھکر دنیا کی بے ثباتی کا کیا ثبوت ہوگا جمشید کا نام اس بے حقیقتی سے لینا کہ القاب وخطاب ایک طرف پورا نام بھی نہیں اس مضمون کو نہایت با اثر کر دیتا ہی،

شرم از آن چشم سیہ بادش و مژگاں دراز   ہر کہ دل بردن او دید و در انکار من ست

اس مضمون کے ادا کرنیکا معمولی پیرایہ یہ تھا کہ جو شخص میرے اوپر اعتراض کرتا ہے اگر معشوق کو دیکھتا

تو اعتراض سے باز آتا، اسکو یوں ادا کیا ہی کہ جو شخص میرے دل باختگی پر اعتراض کرتا ہی اسکو معشوق کی آنکھ اور مژگان سے شرم نہیں آتی یعنی مجھپر اعتراض کرنا گویا آنکھوںکی دلربائی سے انکار کرنا ہی،

یارب بہ کہ تبوان گفت این نکتہ کہ در عالم　　رخسارہ بہ کس ننمود آن شاہد ہرجائی

اس مضمون کو کہ شاہد مطلق (خدا) کا جلوہ اگرچہ ایک ایک ذرہ میں چمکتا ہی لیکن اسکی حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہوئی اور نہ ہوسکتی ہی کس بدیع اسلوب سے ادا کیا ہی یعنی کس قدر تعجب ہی کہ ہرجائی بھی ہی اور آجتک کسی نے اسکو دیکھا بھی نہیں، وصالی نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہی،

اے کہ در ہیچ خانہ داری جا +　　بو العجب ماندہ ام کہ ہرجائی

لیکن خواجہ صاحب کی طرز ادا میں لطافت کے علاوہ اسلوب بھی زیادہ معنی خیز ہے،

بدیع الاسلوبی کے اچھی طرح سمجھ میں آنے کے لئے ہم چند مثالیں لکھتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ ایک مضمون جو کسی اور استاد نے باندھا تھا خواجہ صاحب نے خوبی ادا سے اسکو کس قدر بلند رتبہ کر دیا ہی،

حافظ	سعدی
در راہ عشق فرق غنی و فقیر نیست	تو گرچہ امیرو ما فقیریم
ای بادشاہ حسن سخن با گدا مگو	دل داری دوستان ثواب است

حافظ	سعدی
بنال بلبل اگر با منت سر یاری است	ای بلبل اگر نالی من باتو ہم آوازم
کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری است	تو عشق گلے داری من عشق گل اندامی

شیخ صاحب کہتے ہیں کہ ای بلبل اگر تو رونے پر آمادہ ہو تو میں بھی تیرا ساتھ دینے کو موجود ہوں مجکو تجسے ہمدردی کی یہ وجہ ہے کہ تو گل پر عاشق ہی اور میرا معشوق بھی گل اندام ہے، غرض شیخ نے ہمدردی کی وجہ، معشوق کا ایک گونہ اشتراک قرار دیا ہی، لیکن یہ پہلو نزاہت اور غیرت سے ذرا ہٹا ہوا ہے اسلئے خواجہ صاحب، ہمدردی کی وجہ سے عشق کی شرکت قرار دیتے ہیں، معشوق کے اشتراک سے کوئی تعلق نہیں، اسکے ساتھ خود بلبل کے پیرو نہیں بنتے بلکہ بلبل کو اپنا بناتے ہیں، دو کے لفظ پر جو زور دیا ہی اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ عشق کے صحیح دعویدار صرف دو ہی ہوسکتے ہیں عاشق اور بلبل ان باتوں کے ساتھ زار اور زاری کے اجتماع اور مطلع ہونے نے شعر کو نہایت بلند پایہ کر دیا ہی،

سعدی	حافظ
ای گنج نوشدارو و برخستگان نظر کن	چه عذر از بخت خود گویم که آن عیار شهر آشوب
مرہم بدست و مارا مجروح می گذاری	بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہان دارد

خواجہ صاحب نے شیخ کے مضمون کا پیرایہ کس قدر لطیف کر دیا ہے،

سلمان	حافظ
رندی و عاشقی و قلاشی	عاشق و رندم و نظر بازم و میگویم فاش
ہیچ شک نیست کہ در ما ہمہ ہست	تا بدانی کہ بچندین ہنر آراستہ ام

حقیقی بندش اور جوش بیان کے علاوہ سلمان صرف یہ کہتے ہیں کہ مجھ میں یہ سب باتیں ضرور ہیں، اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان باتوں پر اُن کو فخر ہے یا ندامت، خواجہ صاحب صرف ان اوصاف کے پائے جانے پر قناعت نہیں کرتے بلکہ انکو باعث ناز قرار دیتے ہیں، ع

تا بدانی کہ بچندیں ہنر آراستہ ام،

سلمان	حافظ
مکن ملامت رندان دگر بہ بد نامی	گرچہ بد نامی است نزد عاقلاں
کہ ہر چہ پیش تو ننگ است نزد ما نام است	ما نمی خواہیم ننگ و نام را

سلمان کہتے ہیں کہ ہمکو ملامت نکرو کیونکہ جس چیز کو تم ننگ سمجھتے ہو وہی ہمارے نزدیک ناموری کی بات ہی، اس مضمون میں یہ نقص ہی کہ اس سے اس قدر پھر ثابت ہوتا ہی کہ انکو نام کی خواہش ہے گو وہ نام اوروں کے نزدیک ننگ ہی خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہمکو نام و ننگ سے سرے سے غرض ہی نہیں اور رندی کی یہی شان ہی،

سلمان	حافظ
شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل	شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد
شاہد آن ہست کہ این دارد و آنے دارد	بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد
دیدہ ام طلعت نیباش کہ آنے دارد	
این ہمہ شیفتہ من از پے آن می گردم	

اصل مضمون یہ تھا کہ معشوق پن صرف تناسب اعضا کا نام نہیں، بلکہ اصلی چیز ناز و انداز ہے سلمان نے اس مضمون کو جسطرح ادا کیا، اسمیں ایک اور لفظی خوبی یعنی این و آن کا مقابلہ شامل کر دیا، جس سے اصل مضمون کا زور بٹ گیا، اسلئے خواجہ صاحب نے اصل مضمون کو صنعت لفظی سے بالکل الگ کر کے بیان کیا، لیکن این و آن کا لطف بھی ہات سے دینے کے قابل نہ تھا اس لئے دوسرے موقع پر اسکو زیادہ نمایاں پیرایہ میں ادا کیا،

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن　　　یار ما این دارد و آن نیز ہم

اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں، ہم کو صرف نمونہ دکھانا مقصود تھا،

ان جزی اسالیب سے قطع نظر کر کے کلی اسالیب پر نظر ڈالو خواجہ صاحب نے جن مضامین کو زیادہ تر باندھا ہے وہ شراب کی تعریف، رندی و سرمستی کی ترغیب دنیا کی بے ثباتی، واعظوں اور زاہدوں کی پردہ دری ہے، انمیں سے ہر مضمون کے ادا کرنے کا جو پیرایہ اختیار کیا ہے اس سے بہتر خیال میں نہیں آسکتا، اور یہی وجہ ہے کہ انہی مضامین پر اور اساتذہ کے سیکڑوں ہزاروں اشعار موجود ہیں لیکن عام محفلوں میں خواجہ صاحب ہی کے ترانے زبانوں پر ہیں،

واردات عشق | خواجہ صاحب نے شاعری کی مختلف انواع کو لیا ہے اور ہر نوع کو اعلی رتبہ پر پہنچایا ہے لیکن انکی اصلی شاعری، عشق و عاشقی اور رندی اور رندی و سرمستی ہے، رندانہ مضامین وہ جس آزادی رنگینی اور جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اسکی تفصیل جوش بیان کے عنوان میں گذر چکی، عشقیہ مضامین سے ان کا دیوان بھرا پڑا ہے لیکن یہ نکتہ ملحوظ رکھنا چاہیئے، (جیسا کہ ہم ابتدا میں لکھ آئے ہیں کہ خواجہ صاحب کے عشقیہ جذبات غم اور درد سے کم تعلق رکھتے ہیں، وہ فطرۃً شگفتہ مزاج اور رنگین طبع تھے، اس لئے عشق و عاشقی سے انکو وہیں تک تعلق ہے جہانتک لطف طبع اور شگفتگی خاطر کے کام آئے، وہ نا امیدی حسرت، یاس وغیرہ کچھ لکھتے ہیں تو محض تقلید ہوتی ہے، وہ غمگین منھ بنانا بھی چاہتے ہیں تو چہرہ سے شگفتگی نہیں جاتی، اس بنا پر وہ شوق، ناز و نیاز، بوس و کنار، بزم آرائی، مجلس افروزی کے جذبات اچھی طرح ادا کر سکتے ہیں، وہ اس قسم کا عشق نہیں کرتے کہ کسی کے پیچھے زندگی برباد کر دیں گلیوں میں پڑے پھریں انکا عشق بھی لطف نظر ہے، اچھی صورت سامنے آئی دیکھ لی دل تازہ ہو گیا، پاس بیٹھ گئے ہمزبانی کا لطف اٹھایا، زیادہ پھیلے تو سینہ سے لگایا، گلے میں باہیں ڈالدیں، اس حالت میں بھی کوئی برا خیال نہیں

پاکبازی اور پاک نظری کی روک قائم ہی خود فرماتے ہین،

منم کہ شہرۂ شہرم بہ عشق ورزیدن ✦ منم کہ دیدہ نیالودہ ام بہ بد دیدن ✦

باایں ہمہ عشق و محبت میں جو جو واردات گذرتی ہیں ایک ایک سے باخبر ہیں اور ان سب جذبات کو اُسی سچائی اُسی واقفیت اُسی جوش کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں اسیطرح دل میں آتے ہیں اور یہی اصلی شاعری ہے وہ کوئی بات نہیں کہتے جب تک کوئی جذبہ دل میں نہیں پیدا ہوتے معشوق کی تعریف بھی جو شاعر کا رات دن کا وظیفہ ہی کرنا چاہتے ہیں تو اُسی وقت کرتے ہیں جب معشوق کی کسی نئی ادا سے دل پر چوٹ پڑتی ہی ورنہ یون کچھہ کہہ جاتے ہیں تو اُسکو بیکار سمجھتے ہیں، خود فرماتے ہین،

نکتہ ناسنجیدہ گفتم دلبرا معذور دار ✦ عشوۂ فرمائے تا من طبع را موزون کنم

غنی نے اسی بات کو اپنے انداز مین کہا ہے،

جلوۂ حسن تو آورد مرا بر سر فکر ✦ تو خیالبستی و من معنی رنگین بستم

خواجہ صاحب اس نکتہ سے خوب واقف ہین کہ عشق محض ظاہری حسن و جمال سے نہیں پیدا ہوتا اور ہوتا ہی تو وہ عشق نہیں بلکہ ہوس پرستی ہے عشق کے لئے معشوق کے لیے معشوق میں حسن و جمال کے سوا اور بہت سی ادائیں ہونی چاہئین اسی نکتہ کو سلمان ساوجی نے بھی ادا کیا تھا،

شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل ✦ شاہد آن ست کہ این دارد و آنے دارد

لیکن سلمان نے آن کی تخصیص کردی ہے، خواجہ صاحب بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں،

شاہد آن نیست کہ موے و میانے دارد ✦ بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

لیکن یہین تک بس نہیں کرتے، بلکہ آگے بڑھتے ہیں،

ہزار نکتہ درین کار و بار دلداری ست ✦ کہ نام آن نہ لب لعل و خط زنگاری ست

عاشق جب عشق سے لطف اٹھاتا ہے تو عام فطرت انسانی کے لحاظ سے اورونکو بھی اس مزہ کے اٹھانے کی ترغیب دیتا ہی اس جذبہ کو عجیب لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے،

مصلحت دید من آن ست کہ یاران ہمہ کار ✦ بگذارند و سر زلف نگارے گیرند ✦

شہرے پر از حریفان و ز ہر طرف نگارے ✦ یاران صلاے عشق ست گر می کنید کارے

اس مستی کو دیکھو کہ یارو کوئی کام کرنا ہی تو بس یہ عشق کرنے کا کام ہے،

عاشق کو جب وصل کا تصور آتا ہی تو یہ جذبات پیدا ہوتے ہیں کہ معشوق کو طرح طرح سے آراستہ کرونگا پھولوں کے زیور پہناؤنگا، تخت پر بٹھاؤنگا، اور عرض کرونگا کہ معشوقانہ انداز سے بیٹھیے اور تماشا ہو نہیں بجلی گرائیے، ان جذبات کی تصویر دیکھو،

به تخت گل بنشانم بتے چو سلطانے / ز سنبل و سمنش ساز و طوق و یاره کنم
کرشمه کن و بازار ساحری بشکن / به غمزه رونق بازار سامری بشکن
به باد ده سر و دستار عالمے یعنی / کلاه گوشه به آیین دلبری بشکن
(لوگوں کی پگڑیاں اچھال)
چو عطر سای شود زلف سنبل از دم باد / تو قیمتش به سر زلف عنبری بشکن
به زلف گوی که آیین دلبری بگذار / به غمزه گوی که قلب ستمگری بشکن
برون خرام و ببر گوی خوبی از همه کس / سزای حور بده رونق پری بشکن

عام لوگ سمجھتے ہیں کہ وصل میں دل کے کانٹے نکل جاتے ہیں اور تسکین ہو جاتی ہی لیکن صاحب ذوق جانتا ہی کہ وصل میں آتش شوق اور بھڑکتی ہی اور دل کا ولولہ کسی طرح کم نہیں ہوتا، اسی بنا پر عرب کا شاعر کہتا ہی،

بکلٍّ تداوینا فلم یشف ما بنا / علی ان قرب الدار خیر من البعد

یعنی ہم سب کرکے دیکھ چکے، کسی سے تسلی نہیں ہوتی تاہم ہجر سے وصل پھر اچھا ہے،
خواجہ صاحب اس نکتہ کو یوں ادا کرتے ہیں،

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت / و اندران برگ و نوا خوش نالہای زار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست / گفت ما را جلوہ معشوق درین کار داشت

معشوق نے چند روز بیوفائی برتی ہی، پھر صاف ہو گیا ہی، عاشق کو پچھلی باتیں یاد آتی ہیں لیکن قصداً بھلاتا ہی اور معشوق کو مطمئن کرتا ہے کہ مجکو کوئی شکایت نہیں، اتفاقیہ باتیں تھیں، ہو گئیں اس حالت کو دیکھو کس طرح ادا کیا ہے،

گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت / ور ز ہندوی شما بر من جفائی رفت رفت

اس بلاغت کو دیکھو کہ ظلم و ستم کو معشوق کی طرف منسوب نہیں کرتا، بلکہ زلف کا نام لیتا ہے اور اسکو ہندو (چور، ظالم) کہتا ہی کہ اس سے یہ کیا بعید ہے،

برق عشق از خرمن پشمینہ پوشی سوخت | جور شاہ کامران گر بر گدائی رفت رفت
گر دلم از غمزۂ دلدار تاب بے ہر د برد | در میان جان و جانان ماجرائے رفت رفت

کبھی عاشق کے دل میں یہ جذبہ اٹھتا ہے کہ معشوق کو اور لوگ بھی چاہتے ہونگے لیکن میری سی جانبازی کون کرسکتا ہے، اس خیال کو محبت کے انداز سے معشوق کے سامنے بھی ظاہر کردیتا ہے،

خواجہ صاحب اس جذبہ کو اس پیرایہ میں ادا کرتے ہیں،

شبے مجنون بہ لیلی گفت کای معشوق بے ہمتا | ترا عاشق شود پیدا و لے مجنون نخواہد شد

اس موقع پر مجنون کے لفظ نے کیا بلاغت پیدا کی ہے، یہ مضمون سیکڑوں نے باندھا ہے لیکن یہ پیرایہ کسی کو نصیب نہوا،

بعض وقت جب معشوق کا ناز اور تمکنت حد سے گذر جاتی ہے تو عاشق تنگ آکر کہہ دیتا ہے کہ اتنا بھی حد سے نہ گذریئے، دنیا میں اور ہزاروں صاحب جمال ہیں، معشوق بھی جانتا ہے کہ بات سچ ہے لیکن سمجھتا ہے کہ عاشق کے منصب کے خلاف ہے ان سچے جذبات کو خواجہ صاحب اس طرح ادا کرتے ہیں،

صبحدم مرغ چمن با گل نوخاستہ گفت | ناز کم کن کہ درین باغ بسی چون تو شگفت
گل بخندید کہ از راست نہ رنجیم، و لے | ہیچ عاشق سخن سخت بہ معشوق نگفت

عشق کے جذبات اگرچہ عالم شباب کے لئے خاص ہیں لیکن بڑھاپے میں بھی یہ آگ سرد نہیں ہوتی، عاشق پر اس زمانہ میں مختلف حالات گذرتے ہیں، کبھی کہتا ہے،

ع رندی و ہوسناکی در عہد شباب اولے،

کبھی خیال کرتا ہے کہ عشق کی گرمی خود جوان بنادیگی، اس حالت میں کبھی معشوق سے کہتا ہے،

گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر | کہ سحر گہ ز کنار تو جوان برخیزم

کبھی کہتا ہے،

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتوان شدم | ہر گہ کہ یاد روی تو کردم جوان شدم

اسی بنا پر رکنائے کاشی نے کہا ہے ع عشق در ایام پیری چون بہ سر آتش است،

ان خیالات کے ساتھ یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ حالت عبرت انگیز ہے اس حالت میں موجودہ حالت پر افسوس کرتا ہے اور عبرت کے لہجہ میں کہتا ہے،

دیدی دلا کہ آخر پیری و زہد و علم ۔ با من چہ کرد دیدۂ معشوق باز من ٭

یہ سب اصلی وارداتیں ہیں، جو عاشق کو پیش آتی ہیں، خواجہ صاحب نے انکو بے کم و کاست ادا کیا ہے،

معشوق جب صاحب جاہ اور عاشق مفلس اور کم مایہ ہوتا ہے تو معشوق کو عاشق کی طرف التفات سے عار ہوتی ہے، لیکن عاشق ہیں یہ امتیاز ملحوظ نہیں، اس بنا پر قاصد سے خطاب کرکے کہتا ہے،

گر دیگرت بران در دولت گذر بود ٭ بعد از ادائے خدمت و عرض دعا بگو

در راہ عشق فرق غنی و فقیر نیست ٭ اے بادشاہ حسن سخن با گدا بگو ٭

غرض اسطرح کے سیکڑوں جذبات ہیں جنکو خواجہ صاحب نے نہایت خوبی سے ادا کیا ہے اور جس کی مثال اساتذہ کے کلام میں نہیں مل سکتی، ہم سرسری طور پر یکجائی چند اشعار نقل کرتے ہیں،

معشوق کی نسبت بدگمانی،

خواب آن نرگس فتان تو بے چیزی نیست ۔ تاب آن زلف پریشان تو بے چیزی نیست

ظلم کے بعد معشوق کے رحم کی داد،

آفرین بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب ۔ کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدہ ٭

رقیب سے چھپکر سرگوشی،

خدارا اے رقیب امشب زمانے دیدہ برہم نہ ۔ کہ من با لعل جان بخشش نہانی یک سخن دارم

معشوق کی عام آمیزی کی شکایت،

ز من در دست صبا گوشش بہ پیغام رقیب ۔ این ہمہ با ہمہ در ساختۂ یعنی چہ ٭

عشق سے پارسائی میں فرق آنے کا خطرہ،

می ترسم از خرابی ایمان کہ مے برد ٭ محراب ابروئے تو حضور نماز من

معشوق نے چارہ ساز ہو کر چارہ نوازی نکی

چہ عذر از بخت خود گویم کہ آن عیار شہر آشوب ۔ بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہان دارد

باکہ ! این نکتہ توان گفت کہ آن سنگین دل ٭ کشت مارا و دم عیسے مریم با اوست ٭

بوسہ کے ساتھ گالی کا مزہ،

قند آمیختہ باگل نہ علاج دل ماست ۔ بوسۂ چند بیامیز بہ دشنامے چند

باوفا معشوق کی نظیر پیش کر کے معشوق سے التفات کی خواہش،

پروانہ و شمع و گل و بلبل ہمہ جمع اند　　ای دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن

حیا اور رونے کی وجہ سے افشائے راز،

ترا حیا و مرا آب دیدہ شد غماز　　وگرنہ عاشق و معشوق رازدارانند

اور دوں کی کامیابی پر حسرت،

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی　　بہ یاد آر حریفان بادہ پیما را

داستان عشق کی دلچسپی،

یک قصہ بیش نیست غم عشق این عجب　　از ہر کسے کہ می شنوم نامکرر است

معشوق پر فدا ہونے کا انتظار اور اسکا اعتراض،

می خواستم کہ میرمش اندر قدم چو شمع　　او خود گذر بہ ما چو نسیم سحر نہ کرد

معشوق کی یاد میں شب گذاری کا لطف،

از صبا پرس کہ ما را ہمہ شب تا دم صبح　　بوی زلف تو ہمان مونس جان است کہ بود

معشوق نہ زر سے ہاتھ آتا اور نہ خود ملتفت ہوتا،

از مہر بوسہ زلبش جان ہمی دہم　　اینم نمی ستاند و آنم نمی دہد

اہل تقویٰ برا مانیں تو مانیں، شاہد پرستی نہیں چھوڑی جا سکتی،

شراب لعل کش و روی مہ جبینان بین　　خلاف مذہب آنان جمال اینان بین

فلسفہ | خواجہ صاحب کا فلسفہ قریباً وہی ہی جو خیام کا ہے، خواجہ صاحب نے انہی مسائل کو زیادہ تفصیل، زیادہ توضیح اور زیادہ جوش کے ساتھ ادا کیا ہی، چنانچہ ہم انکو بدفعات بیان کرتے ہیں،

(۱) انکا فلسفہ اس مسئلہ سے شروع ہوتا ہی کہ انسان کو کائنات کے اسرار اور انکی حقیقت کچھ معلوم نہیں، اور نہ معلوم ہو سکتی! اس مضمون کو سقراط، فارابی، ابن سینا، خیام سب نے بیان کیا تھا، لیکن خواجہ صاحب جس بلند آہنگی، اور جوش و ادعا کے ساتھ کہتے ہیں وہ انکا خاص حصہ ہے،

برو ای زاہد خود بین اکز چشم من و تو　　راز این پردہ نہان است و نہان خواہد بود

انداز بیان کی بلاغت کو دیکھو! کلام کی ابتدا ایسے لفظ سے کی ہے جس سے زاہد کی دعوی رازدانی

کی سخت تحقیر ظاہر ہوتی ہی، خود بین کے لفظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہی کہ یہ دعوی صرف خود بینی کی بنا پر ہوتا ہی، زاہد کے ساتھ اپنے آپ کو بھی شریک کر لیا ہی جس سے زاہد کی خاطر داری اور دعوی کی تعمیم مقصود ہی یعنی اس امر میں عارف و زاہد، عالم و جاہل سب برابر ہیں، دوسرے مصرع میں ماضی کے ساتھ آیندہ زمانہ کو بھی داخل کر لینے سے دعوی میں زیادہ زور اور تعمیم پیدا ہو گئی ہے،

عنقا شکار کس نشود دام باز چین　　کین جا ہمیشہ باد بدست است دام را
حدیث از مطرب و می گو و راز دہر کمتر جو　　کہ کس نگشود و نگشاید بحکمت این معما را
دانا چو دید بازی این چرخ حقہ باز　　ہنگامہ باز چید و در گفتگو ببست
کس ندانست کہ منزلگہ مقصود کجاست　　این قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید
ساقیا جام میم دہ کہ نگارندۂ غیب　　نیست معلوم کہ در پردۂ اسرار چہ کرد
آنکہ پر نقش زد این دائرۂ مینائی　　کس ندانست کہ در گردش پرکار چہ کرد
نشوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود　　گر تو سرگشتہ شوی دائرہ دوران را
در کارخانہ کہ رہ عقل و علم نیست　　وہم ضعیف رائے فضولی چرا کند
ما از برون در شدہ مغرور صد فریب　　تا خود درون پردہ چہ تدبیر می کنند
جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ　　چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند
راز درون پردہ چہ داند فلک خموش　　اے مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست
با ہیچ کس نشانے زان دلستان ندیدم　　یا من خبر ندارم یا او نشان ندارد
ہر دم در انتظار درین پردہ راہ نیست　　یا ہست و پردہ دار نشانم نمی دہد

شاہد شاہد مطلق کا ظہور اگرچہ ہر جگہ ہے، اور ذرہ ذرہ میں اسکی چمک موجود ہی، لیکن کوئی شخص اسکو پہچان نہیں سکتا،

(۳) اسرار کائنات اگرچہ حقیقت میں معلوم نہیں ہو سکتی، لیکن جو کچھ بھی معلوم ہو سکتا ہی وہ علوم درسیہ کی تحصیل اور بحث مباحثہ سے نہیں معلوم ہو سکتا، بلکہ مجاہدہ، ریاضت، وجدان اور کشف سے معلوم ہو سکتا ہی، خواجہ صاحب نے ارباب ذوق اور مشاہدہ کا نام ساقی، بادہ فروش، رند، رکھا ہی اور اسی بنا پر ہر جگہ پیر مغان اور بادہ فروش کی حلقہ بگوشی کا دعوی کرتے ہیں اور انکے مقابلہ میں زاہد یعنی علمائے ظاہری کو ہیچ حقیقت سمجھتے ہیں

راز درون پردہ ز رندان مست پرس ۔۔۔ کین حال نیست صوفی عالی مقام را
سر خدا کہ عارف و سالک بہ کس نگفت ۔۔۔ در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید
مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز ۔۔۔ ورنہ در مجلس رندان خبری نیست کہ نیست
اے کہ از دفتر عقل آیت عشق آموزی ۔۔۔ ترسم این نکتہ بہ تحقیق ندانی دانست
سر ز حیرت بہ در میکدہ ہا برکردم ۔۔۔ چون شناسای تو در صومعہ یک پیر نبود
حلاج بر سر دار این نکتہ خوش سراید ۔۔۔ از شافعی نپرسید امثال این مسائل

مرزا غالب نے اس خیال کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے،

آن راز کہ در سینہ نہان است نہ وعظ است ۔۔۔ بر دار توان گفت و بہ منبر نتوان گفت

(۴) صوفیہ کے نزدیک علم حاصل ہونیکا ذریعہ بیرونی چیزوں کا مطالعہ نہیں ہی انکے نزدیک جب ایک خاص طریقہ سے توجہ، اور مدت تک اسپر مواظبت کی جاتی ہی تو دل خود ادراکات اور معلومات کا سرچشمہ بن جاتا ہی، جس طرح انبیا کا علم باہر سے نہیں آتا بلکہ فوارہ کی طرح اندر سے اچھلتا ہے خواجہ صاحب نے اس مسئلہ کو نہایت پرجوش اور بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہی،

دیدمش خرم و خندان قدح بادہ بدست ۔۔۔ و ندران آئینہ صد گونہ تماشا می کرد
گفتم این جام جہان بین بتو کے داد حکیم ۔۔۔ گفت آن روز کہ این گنبد مینا می کرد

یعنی میں نے ساقی (عارف) کو دیکھا کہ خوشی سے کھلا جاتا ہی، ہات میں شراب کا پیالہ ہی اسکو بار بار دیکھتا ہی، اور اس میں اسکو گوناگون عالم نظر آتے ہیں، میں نے پوچھا کہ کارپرداز فطرت نے تمکو یہ جام جہان بین کس دن عنایت کیا تھا، بولا کہ جسدن یہ سبز گنبد (آسمان) تعمیر کر رہا تھا،

(۵) خواجہ صاحب کا میلان زیادہ تر جبر کی طرف معلوم ہوتا ہی یعنی انسان خود مختار نہیں ہی کوئی اور قوت ہی جو اس سے کام لے رہی ہی، اگرچہ بعض جگہ اسکے خلاف بھی انکے قلم سے نکل جاتا ہی مثلاً

ع ہر عمل اجرے و ہر کار جزائے دارد،

لیکن انکا اصلی رجحان طبع جبر ہی کی طرف ہی یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر خلاف عقل ہی لیکن فلسفہ کی انتہائی منزل یہی ہی، اور ارباب فنا بھی اسی نشہ میں چور ہیں، خواجہ صاحب جب اس عالم میں آتے ہیں تو انکی سرمستی حد سے بڑھ جاتی ہی اور عجیب جوش و خروش کا عالم ہوتا ہی،

نقش مستوری و مستی نه به دست من و تست … آنچه استادِ ازل گفت، بکن آن کردم

بارها گفته‌ام و بارِ دگر مے گویم + … که من دل شده این ره نه بخود می پویم

بر وای ناصح و بر دُردکشان خرده مگیر … کارفرمای قدر می کند این من چه کنم

برقِ غیرت که چنین می جهد از پردهٔ غیب … تو بفرما که من سوخته خرمن چه کنم

مرا مهر نکورویان ز سر بیرون نخواهد شد … قضای آسمان است، و دیگرگون نخواهد شد

مرا روزِ ازل کارے بجز رندی نفرمودند … هر آن قسمت که آن جا شد کم و افزون نخواهد شد

مستوری و مستی همه چو از یک قبیله‌اند … ما دل به عشوه که دهیم، اختیار چیست؟

در پسِ آئینه طوطی صفتم داشته‌اند … آنچه استادِ ازل گفت همان میگویم

(۵) کمال اور ترقی کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں یہ غلط ہی کہ ؎ حریفان بادہا خوردند و رفتند

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید … دیگران هم بکنند آنچه مسیحا مے کرد

(۶) بندگانِ خاص کی فطرت ہی جدا ہوتی ہی وہ بات ہر شخص کو نصیب نہیں ہو سکتی،

گوهرِ جامِ جم از طینتِ خاکِ دگر است … تو توقع ز گلِ کوزه گران میداری +

فلسفۂ اخلاق | خواجہ صاحب کی اخلاقی تعلیم، اعلیٰ درجہ کی فلسفہ انسانیت کی تصویر ہے ان کا طرزِ عمل خود اُنکی زبان سے یہ ہے،

مباش در پئے آزار و هر چه خواهی کن … که در شریعتِ ما غیر ازین گناهی نیست

؎ فرضِ ایزد بگذاریم و بکس بد نه کنیم

ما نه گوییم بد و میل به ناحق نه کنیم … جامهٔ کس سیه و دلقِ خود ازرق نه کنیم

نہ صرف اچھوں بلکہ بروں کو بھی ہم بُرا کہنا پسند نہیں کرتے کیونکہ گو بُرے کو بُرا کہنا چنداں مضائقہ نہیں پھر بھی بُرائی سے خالی نہیں اسلئے سرے سے اس کام کو چھوڑ دینا بہتر ہے،

عیبِ درویش و توانگر به کم و بیش بد است … کارِ بد مصلحت آن است که مطلق نکنیم

ہم اپنے نکتہ چینیوں اور مخالفوں سے بھی ناراض نہیں ہوتے اسلئے کہ اگر وہ حق کہتے ہیں تو حق کے بُرا ماننے کی کوئی وجہ نہیں، اور اگر غلط کہتے ہیں تو غلط بات کا کیا رنج،

حافظ از خصم خطا گفت نگیریم بر او … ور که حق گفت جدل با سخنِ حق نه کنیم

ہماری مجلس عام ہے کسی کی تخصیص نہیں جو چاہے آئے، ہم سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے واعظوں اور زاہدوں کی طرح ہمارا اخلاق دوست دشمن عزیز و بیگانہ کافر و مسلمان کی تفریق کی وجہ سے بدلا نہیں کرتا،

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو ٭ گیر و دار حاجب و دربان درین درگاہ نیست
بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است ٭ ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

ہمکو صرف مہر و محبت سے کام ہے دشمنی، بغض، اور کینہ ہمارا طرز عمل نہیں،

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم ٭ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس
قفا خوریم و ملامت کشیم و خوش باشیم ٭ کہ در طریقت ما کافری است رنجیدن
بہ پیر میکدہ گفتم کہ چیست راہ نجات ٭ بخواست جام می و گفت عیب پوشیدن

فرائض اور عبادات بہشت کے لالچ سے نہیں کرنی چاہییں بلکہ اس لئے کرنی چاہییں کہ فرض انسانی ہیں، بہشت بیشک معاوضہ میں ملیگی لیکن تمہارا مطمح نظر یہ نہیں ہونا چاہیئے،

تو بندگی چو گدایان بہ شرط مزد مکن ٭ کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند
من آن نگین سلیمان بہ ہیچ نستانم ٭ کہ گاہ گاہ برو دست اہرمن باشد

مشہور ہے کہ حضرت سلیمان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جسکی تاثیر سے تمام جن اور انسان انکے تابع تھے، ایک دفعہ ایک شیطان نے اسکو کسی طرح اڑا لیا، حضرت سلیمان کی سلطنت اور شان شوکت سب جاتی رہی، یہانتک کہ مچھلیاں بیچکر زندگی بسر کرتے تھے، خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ جس انگوٹھی پر کبھی کبھی شیطان کا قبضہ ہو جاتا ہے، میں اسکو کوڑی کے مول بھی نہیں خریدتا،

گرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمتم ٭ گر بہ آب چشمۂ خورشید دامن تر کنم
بہ خرمن دو جہان سر فرو نمی آرند ٭ دماغ کبر گدایان خوشہ چینان بین
ما ملک عافیت نہ بہ لشکر گرفتہ ایم ٭ ما تخت سلطنت نہ بہ بازو کشادہ ایم

لیاقت جبتک نہ ہو بڑوں کی برابری نہیں کرنا چاہیئے،

تکیہ بر جائے بزرگان نتوان زد بگزاف ٭ مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

ذاتی لیاقت درکار ہے، خاندانی شرف کافی نہیں،

تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنما + درخود از گوہر جمشید و فریدون باشی

تحصیل مقصد کے لئے کوشش درکار ہے،

در رہ منزل لیلےٰ کہ خطرہاست بجان — شرط اول قدم آنست کہ مجنون باشی

ترغیب عمل،

اے دل بہ کوئی عشق گذاری نمی کنی — اسباب جمع داری و کارے نمی کنی +

چوگان بدست داری و گوئی نمی زنی — بازے چنین بدست و شکارے نمی کنی

علما اور واعظین کی پردہ دری اخلاقی تعلیم اس بات پر موقوف ہی کہ شاعر فطرت انسانی کا نکتہ شناس ہو جو عیب اور برائیاں کھلی کھلی ہوتی ہیں، انکو ہر شخص سمجھ سکتا ہی لیکن دقیق، مخفی، اور سربستہ عیوب تک ہر شخص کی نگاہ نہیں پہونچ سکتی، اسلئے جو شاعر فلسفہ اخلاق کی تعلیم دینا چاہتا ہی، اسکے لئے فطرت کا نکتہ شناس ہونا سب سے پہلی شرط ہی، اسکے ساتھ یہ بھی ضرور ہی کہ لطیف اور دل آویز طریقہ سے یہ عیوب ظاہر کئے جائیں تاکہ لوگونکو گران نہ گذریں بلکہ خود انکو انکے سننے میں لطف آئے، مخفی اور دقیق عیوب جس قدر علما میں اور واعظین اور زہاد میں پائے جاتے ہیں کسی فرقہ میں نہیں پائے جاتے چنانچہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اسکو نہایت تفصیل سے لکھا ہی، لیکن چونکہ یہ فرقہ ہمیشہ باقتدار رہا ہی اسلئے انکے عیوب کا ظاہر کرنا آسان بات نہیں، امام غزالی نے اسکا جو نتیجہ اٹھایا، یہ تھا کہ ان کی جان تک معرض خطر میں آگئی، اسلئے کسی کو ہمت نہوئی، شعرا میں سب سے پہلے خیام نے یہ جرات کی اسکے بعد شیخ سعدی نے دبی زبان سے کچھ کچھ کہا، مثلاً۔

محتسب در قفاے رندان است — غافل از صوفیان شاہد باز

برون نمی رود از خانقہ یکے ہشیار — کہ تا بہ شحنہ بگوید کہ صوفیان مستند

گر کند میل بہ خوبان دل من خردہ مگیر — کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

لیکن جس دلیری، آزادی اور بے باکی سے خواجہ صاحب نے اس فرض کو ادا کیا آجتک کسی سے نہو سکا

واعظان کین جلوہ بر محراب و منبر می کنند — چون بہ خلوت می روند آن کار دیگر می کنند

مشکلے دارم ز دانشمند محفل باز پرس — توبہ فرمایان چرا خود توبہ کمتر می کنند

گوئیا باور نمی دارند روز داورے (قیامت) — کین ہمہ قلب و دغا (کھوٹ) در کار داور (خدا) می کنند

دی دو ہتیم چہ خوش آمد کہ سحر گہ میگفت | بر در میکدہ با دف و نے ترسائے
گر مسلمانی این ست کہ حافظ وارد | وای اگر در پس امروز بود فردائے

یعنی کل شراب خانہ کے دروازہ پر ایک عیسائی دف بجا کر یہ گاتا تھا کہ اگر اسلام اسی کا نام ہے جو حافظ میں پایا جاتا ہی تو آج کے بعد اگر کل قیامت کا دن بھی آنے والا ہی تو ہائے،،

اس شعر کا پیرایہ بیان بھی کس قدر بلیغ ہی؟ اول تو جو کہنا ہی اسکو ایک عیسائی کی زبان سے کہا ہے جس سے علاوہ احتیاط کے مقصود یہ ہی کہ غیروں کو بھی ان بداعمالیوں پر افسوس اور رحم آتا ہی گانے اور بجانے کے شامل کرنے سے یہ غرض ہی کہ اس ذریعہ سے لوگ زیادہ جی لگا کر سنتے تھے اور زیادہ تشہیر ہوتی تھی، اپنا نام لینے سے علاوہ احتیاط کے یہ مقصد ہی کہ دوسرونکا عیب کہتے تو انکو توجہ نہوتی،

سب سے بڑا عیب مولویون اور واعظون میں ریاکاری کا ہوتا ہی اسلئے نہایت دلیری سے انکی برائیان بیان کی ہیں

گرچہ بر واعظ شہر این سخن آسان نشود | تا ریا ورزد و سالوس مسلمان نشود

یعنی گو واعظ کو یہ بات گران گذریگی، لیکن ہی یہ کہ جب تک وہ ریاکرتا رہیگا مسلمان نہیں ہوسکتا،

غلام ہمت دردی کشان یکرنگم | نہ آن گروہ کہ ازرق لباس دل سیہ اند
بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریائے نبود | بہتر از زہد فروشی کہ درو روی و ریا ست
من از پیر مغان دیدم کرامت ہائے مردانہ | کہ این دلق ریائی را بجامی در نمی گیرد
می خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب | بہتر ز طاعتے کہ بروی و ریا کنند
ترسم کہ صرفۂ نبرد روز باز خواست | نان حلال شیخ ز آب حرام ما
بیا بمیکدہ و چہرہ ارغوانی کن | مرو بصومعہ کان جا سیاہ کارانند
نقد ہا را بود آیا کہ عیارے گیرند | تا ہمہ صومعہ داران پے کارے گیرند

یعنی اگر سکے پرکھے جاتے تو سب خانقاہ نشین اپنا اپنا راستہ لیتے،

مولویون اور واعظون کو اسمین بڑا کمال ہوتا ہی کہ تقدس کے پردہ میں اسطرح برائیاں کرتے ہیں کہ کسی کو انکی نسبت گمان بھی نہیں ہوسکتا، خواجہ صاحب نے اس نکتہ کو اس لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہی،

اے دل طریق مستی از محتسب بیاموز | مست ست و در حق او کس این گمان ندارد
خرقہ پوشان ہمگی مست گذشتند و گذشت [۵۱] | قصہ ماست کہ در کوچہ و بازار بماند

[۵۱] یعنی گئی گذری بات ہوئی،

صوفیان واستدند از گرومی همه رخت — دلق ما بود که در خانهٔ خمار بماند

یعنی صوفیوں نے اپنا خرقہ شراب کی عوض میں رہن بھی کیا اور واپس بھی لے لیا کسی کو کانوں کان خبر بھی نہوئی، ہم رند، یوں رسوا ہوئے کہ ہمارا خرقہ پڑا رہ گیا،

داشتم دلقے وصد عیب مرامی پوشید — خرقہ رہن مے ومطرب شد و زنار بماند

عیب چھپانے کی ایک بڑی گہری چال یہ ہے کہ کوئی اور شخص اگر وہ عیب کرتا ہوا نظر آئے تو نہایت سختی سے اسپر دار و گیر کیجائے، اس راز کو خواجہ صاحب اس طرح فاش کرتے ہیں،

بادہ با محتسب شہر منوشی زنہار — کہ خورد بادہ ات و سنگ بہ جام اندازد

یعنی محتسب کے ساتھ کبھی شراب نہ پینا، وہ تمہارے ساتھ شراب بھی پیئے گا اور تمہارا پیالہ بھی توڑ ڈالیگا،

مولویوں اور واعظوں میں یہ ریاکاری علانیہ نظر آتی ہے اور مذہبی گروہ بھی اسکے اثر سے خالی نہیں ہوتے، اس بنا پر خواجہ صاحب فرماتے ہیں،

می خور کہ شیخ وحافظ وقاضی ومحتسب — چون نیک بنگری ہمہ تزویر میکنند

صوفیان جملہ حریف اند ونظر باز ولے — زین میان حافظ سوخته بدنام افتاد

علما کے اوصاف اور اخلاق پر خوب غور کرو، تو نظر آئیگا کہ عوام کی عقیدت مندی اور نیازمندی کی وجہ سے انمیں نہایت عجب اور غرور پیدا ہو جاتا ہے، اور اس وصف کو اسلئے ترقی ہوتی جاتی ہے کہ ان کو یہ باتیں مذہبی پیرایہ میں نظر آتی ہیں، وہ کسی کو برا کہتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ امر بالمعروف کی تعمیل ہے، سلاطین اور حکام کی دربارداری کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ احکام شرعی کے اجرا کے لئے اسکی ضرورت ہے کسی سے ذاتی عناد کی وجہ سے دشمنی کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ بغض للہ ہے، غرور اور فخر کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ عزت نفس ہے، اس بنا پر یہ تمام عیوب ان میں راسخ ہو جاتے ہیں خواجہ صاحب ان تمام عیبوں کی نہایت بلیغ اور لطیف پیرایوں میں پردہ دری کرتے ہیں،

گر از پردہ برون شد دل من عیب مکن — شکر ایزد کہ نہ در پردهٔ پندار بماند

در رہ ما شکستہ دلی می خرند و بس — بازار خود فروشی ازان راہ دیگر است

یعنی ہمارے بازار میں صرف خاکساری کی قیمت ہے، باقی خود پرستی تو اسکا راستہ دوسری طرف سے نکلا ہے،

زاہد شہر چو مہر ملک وشحنہ گزید — من ہم از مہر نگارے بگزینم چہ شود

یعنی جب زاہد نے بادشاہ پرستی اختیار کی، تو ہم بھی اگر کسی خوشرو سے دل لگائیں تو کیا ہرج ہی، یعنی بادشاہ پرستی سے شاہد پرستی بہتر ہے،

اخفائے حق

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو — نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

علما کی عام حالت یہ ہی کہ امر حق کو عوام کی خاطر سے کبھی ظاہر نہین کرتے بلکہ اگر اُسمین کوئی برائی کا پہلو ہی تو صرف اُسی پر زور دیتے ہیں، آجکل مغربی تعلیم قوم کیلئے کس قدر ضروری اور گویا شرط زندگی ہی لیکن صرف اس وجہ سے کہ عوام اس سے وحشت کرتے ہیں کبھی کوئی عالم اسکی ترغیب نہین دیسکتا بلکہ ہمیشہ اسکی مخالفت کی جاتی ہے خواجہ صاحب نے نہایت موثر طریقے سے اس عیب پر ملامت کی ہی، وہ کہتے ہیں کہ عوام کی خاطر سے حکمت اور حقیقت سے انکار کرو۔ شراب میں فائدہ بھی ہی اور نقصان بھی اور نقصان فائدہ سے زیادہ ہے تاہم خدا نے قرآن مجید مین فرمایا فیہما اثم کبیر و منافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما۔ یعنی قمار اور شراب میں فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی لیکن نقصان زیادہ ہی جب خدا نے باوجود اسکے کہ شراب نہایت بری چیز ہے اسکے فائدون کو چھپانا نہین چاہا، البتہ یہ بتا دیا کہ فائدہ سے نقصان زیادہ ہے، اور اسلئے اس سے پرہیز کرنا چاہیئے تو امر حق کو عوام کی خاطر سے چھپانا کیونکر جائز ہو سکتا ہی،

خواجہ صاحب نے اس بات کو جا بجا نہایت بلیغ اور لطیف پیرایون میں ادا کیا ہی کہ مولویون اور واعظون کی نیکیان بھی چونکہ ذاتی غرض پر مبنی ہوتی ہیں، اسلئے درگاہ الٰہی میں مقبول ہونیکے قابل نہین،

درمی خانہ بہ بستند خدایا مپسند — کہ در خانہ تزویر و ریا بکشایند

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست — نان حلال شیخ ز آب حرام ما

این خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولٰے — وین دفتر بے معنی غرق مے ناب اولی

روزمرہ ومحاورہ

خواجہ صاحب کی فصاحت کلام کا ایک بڑا سبب یہ ہی کہ انکے ہان کلام میں روزمرہ اور محاورے نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں، جو الفاظ اور ترکیبین رات دن استعمال میں آتے رہتے ہیں اور جن سے روزمرہ پیدا ہوتا ہی، عموماً وہی ہوتے ہیں جو فصیح، سلیس، نرم اور روان ہوں، اور اگر ان مین کسی قدر کمی ہوتی ہی تو وہ روزمرہ کے استعمال سے نکلجاتی ہی، کیونکہ رات دن سنتے سنتے وہ الفاظ کانوں کو مانوس ہوجاتے ہیں، محاورات کا بھی یہی حال ہی، محاورہ اسوقت بنتا ہی جب ایک

گروہ کا گروہ کسی جملہ کو کسی خاص معنی میں استعمال کرتا ہے، اس لئے ضرور ہے کہ یہ جملہ خود فصیح سلیس، اور روان ہو، ورنہ تحاور عام میں نہیں آسکتا،

ایک اور پہلو سے اس خصوصیت پر نظر ڈالو، فارسی زبان میں مفرد الفاظ بہ نسبت اور زبانوں کے نہایت کم ہیں، اس کمی کی تلافی زبان نے محاورات اور مصطلحات سے کی، شاعری کے لئے زبان پر قدرت تام حاصل ہونا سب سے ضروری شرط ہے، خواجہ صاحب کی قادر الکلامی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے جس قدر محاورات اور مصطلحات برتے، فارسی شعرا میں سے غالباً کسی نے نہیں برتے اور یہ انکی قادر الکلامی کی ایک بڑی دلیل ہے،

خواجہ صاحب کا تمام کلام اگرچہ روزمرہ محاورات اور مصطلحات سے لبریز ہے لیکن مثال کے طور پر ہم چند اشعار نقل کرتے ہیں[۱]

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست ✤ نان حلال شیخ ز آب حرام ما
صلاح کار کجا و من خراب کجا ✤ بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا
(قیامت — شراب)
عنقا شکار کس نشود دام باز چین ✤ کین جا ہمیشہ باد بدست است دام را
اے صبا گر بہ جوانان چمن باز رسی ✤ خدمت از ما برسان سرو و گل و ریحان را
ترسم آن قوم کہ بر درد کشان می خندند ✤ در سر کار خرابات کنند ایمان را
برو بہ کار خود ای واعظ این چہ فریاد است ✤ مرا فتادہ دل از کف ترا چہ افتادہ است
روی خوب است و کمال و ہنر و دامن پاک ✤ لاجرم ہمت مردان دو عالم با اوست
ہر چہ ہست از قامت ناساز بے اندام ماست ✤ ورنہ تشریف تو بر بالای کس کوتاہ نیست
بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است ✤ ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست
دانا چو دید بازی این چرخ حقہ باز ✤ ہنگامہ باز چید و در گفتگو ببست
در راہ ما شکستہ دلی می خرند و بس ✤ بازار خود فروشی ازان راہ دیگر است
اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلبیز است ✤ بہ بانگ چنگ مخور می کہ محتسب تیز است
(چنگ — شیخ)

[۱] جو محاورات ان اشعار میں آئے ہیں انکے معنی ہم یکجائی لکھ دیتے ہیں، صرفہ بردن بازی لیجانا، دام باز چیدن، جال کو سمیٹ لینا، باد بدست بودن کچھ ہات نہ آنا، خدمت رسانیدن سلام، در سر کار چیزے کردن، صرف کر دینا یا لگا دینا، ترا چہ افتادہ است، تم کو کیا پڑی ہے، ہمت توجہ اور ہمدردی، بے اندام بے ڈول، ازان راہ دیگر است یعنی اسکا اور راستہ ہے، تیز چہلا اور غصہ ور،

می خواست گل که دم زند از رنگ و بوی دوست — از غیرت صبا نفسش در دهان گرفت

آسوده بر کنار چو پرکار مے شدم — دوران چو نقطه عاقبتم در میان گرفت

فرصت نگر که فتنه در عالم افتاد — عارف به جام می زد و از غم کران گرفت

حافظ چو آب لطف ز نظم تو می چکید — غیرے چگونه نکته تواند بران گرفت

مستم کن آن چنان که ندانم ز بیخودی — در عرصهٔ خیال که آمد کدام رفت

در حق من لبت آن لطف که می فرماید — سخت خوب است ولیکن قدرے بهتر ازین

بهائے همتم عمرے ست کز جان — هوائے آن قد و بالا گرفت است

دلم جز مهر مهرویان طریقے بر نمی گیرد — ز هر در می دهم پندش ولیکن در نمی گیرد

رخ و چشمے بدین خوبی تو گوئی دل از و برگیر — برو کین وعظ بے معنی مرا در سر نمی گیرد

میان گریه می خندم که چون شمع اندرین مجلس — زبان آتشینم هست لیکن در نمی گیرد

بدین شعر تر و شیرین ز شاهنشه عجب دارم — که سر تا پای حافظ را چرا در زر نمی گیرد

یا وفا یا خبر وصل تو یا مرگ رقیب — بازی چرخ ازین یکدو سه کاری بکند

نقدها را بود آیا که عیارے گیرند — تا همه صومعه داران پے کاری گیرند

خرقه پوشان همگی مست گذشتند و گذشت — قصهٔ ماست که در کوچه و بازار بماند

مطرب عشق عجب ساز و نوائے دارد — نقش هر پرده که زد راه بجائی دارد

از راه نظر مرغ دلم گشت هواگیر — اے دیده نظر کن که به دام که در افتاد

بس تجربه کردیم درین دیر مکافات — با دردکشان هر که در افتاد بر افتاد

چه مستی است ندانم که رو به ما آورد — که بود ساقی؟ واین باده از کجا آورد

رسیدن گل و نسرین به خیر و خوبی باد — بنفشه شاد و خوش آمد سمن صفا آورد

از دیده خون دل همه بر روئے ما رود — بر روئے ما ز دیده ندانم چها رود

دم زدن دعوی کرنا نفس در دہان گرفتن دم گھٹنا در میان گرفتن گھیر لینا بر کسی چیزے ٹوٹ کر گرنا نکتہ گرفتن اعتراض کرنا ہوا گرفتن ہوا میں اڑنا در گرفتن اثر کرنا یا آگ جانا در زر گرفتن سونے میں تلوا دینا اپنے کار سے گرفتن کسی کام کے پیچھے پڑنا لیکن ایسے موقع پر اپنا راستہ لینا کے معنے میں آتا ہے گذشت گئی گذری بات ہوئی راہ بجائے دارد اصول اور قاعدہ کے موافق ہے در افتادن الجھنا صفا آور خیر مقدم کے لئے کہتے ہیں چہا رود کیسے گذریگی شادی شگفتگی یعنی آنکھ کے آنسو یہ فلان بخشیدن آنکے صدقہ میں رحمت کیسے بر داشتن کسی کو ستانا

آن شدای خواجه که در صومعه باز م بینی ‌ ‌ ‌ کار ما بارخ ساقی و لب جام افتاد

رطل گرانم ده ای مرید خرابات ‌ ‌ ‌ شادی شیخی که خانقاه نه دارد

شراب و عیش نهان چیست کار بے بنیاد ‌ ‌ ‌ زدیم بر صف رندان و هرچه بادا باد

یارب بوقت گل گنہ بندہ عفو کن ‌ ‌ ‌ وین ماجرا بسرو لب جویبار بخش

حاشا که من بموسم گل ترک مے کنم ‌ ‌ ‌ من لاف عقل میزنم این کار کے کنم

ای مگس عرصه سیمرغ نه جولانگه تست ‌ ‌ ‌ عرض خود می بری و زحمت ما می داری

دردمندان بلا زهر هلاهل نوشند ‌ ‌ ‌ قتل این قوم خطا باشد، هان تا نہ کنی

اکثر محاورے ایسے ہیں جو صرف بول چال اور بے تکلفی میں استعمال ہوتے ہیں اہل قلم یہ سمجھکر کہ وہ متانت کے خلاف ہیں، تصنیفات میں استعمال نہیں کرتے، مثلاً اردو میں یہ محاورات وہ جاؤ بھی رہنے بھی دیجئے دیکھ لیا، وغیرہ وغیرہ روزمرہ استعمال میں آتے ہیں لیکن ناسخ، خواجہ درد سودا وغیرہ انکو نظم متانت کے خلاف سمجھتے ہیں، لیکن اس سے زبان کی وسعت گھٹتی ہے اسلئے جن شعرا کو زبان کا خیال زیادہ ہے مثلاً داغ وغیرہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر یہ تمام محاورات لاتے ہیں، فارسی میں روزمرہ اور محاورہ کو خواجہ صاحب نے وسعت دی، انکے کلام میں ایسے بہت سے محاورات ملیں گے جو کسی اور کے کلام میں نہیں مل سکتے یہانتک کہ بول چال کے لحاظ سے وہ محاورات بھی خواجہ صاحب نے لے لئے ہیں جو خاص لہجہ کے محتاج ہیں اور بغیر اس لہجہ کے سمجھ میں نہیں آسکتے، مثلاً،

ناصحم گفت که جز غم چه هنر دارد عشق ‌ ‌ ‌ گفتم ای خواجه غافل! هنرے بهتر ازین

هنرے بهتر ازین، کو ایک خاص لہجے سے پڑھنا چاہئے، جس سے استفہام کے معنے پیدا ہوں یعنی کیا اس سے بڑھکر کوئی اور ہنر ہوگا، یا مثلاً یہ شعر ع

کنار و بوسه و وصلش چگو ییم چون نخواهد شد

یعنی جب یہ ہونا نہیں ہے تو اسکا ذکر کیا کروں، اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں،

خوش نوائی صاحب ذوق صاف محسوس کرتا ہے کہ خواجہ صاحب کے کلام میں ایک خاص قسم کی خوشگواری پائی جاتی ہے، شاعری میں موسیقی بھی شامل ہے، اسلئے جو شعر موسیقی اور خوش نوائی سے الگ ہوگا شاعری کے مرتبے سے گھٹا ہوگا، خواجہ صاحب کے کلام میں یہ وصف مختلف اسباب سے پیدا ہوتا ہے، اکثر وہ غزلوں کی

لہ ہان تا نہ کنی، دیکھو ایسا کبھی نکرنا،

ایسی لکھتے ہیں جو موسیقی سے مناسبت رکھتی ہیں شعر کے ارکان اور انکے ٹکڑے ایسے لاتے ہیں جو تال اور سم کا کام دیتے ہیں اس غرض کیلئے اکثر ہموزن الفاظ کا پے درپے آنا مدد دیتا ہی اور گویا یہ معلوم ہوتا ہی کہ بار بار تان آکر ٹوٹتی ہی مثلاً،

چو در دست است رودی خوش بزن مطرب سرودی خوش — کہ دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم

یکے از عقل می لافد دگر طامات مے بافد — بیا کین داوری ہارا بہ پیش داور اندازیم

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد — من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

شراب ارغوانی را گلاب اندر قدح ریزیم — نسیم عطر گردان را شکر در مجمر اندازیم

سرو روان من چرا میل وطن نمے کند — ہمدم گل نمی شود، یاد وطن نمے کند

دردم از یار است و درمان نیز ہم — دل فدائے او شد و جان نیز ہم

گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت — ورنہ ہندوی شما بر من جفائے رفت رفت

ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ کے قابل ہی، قدما کے کلام میں صنائع لفظی یعنے صنعت اشتقاق ترصیع، ایہام نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں، مراعات النظیر کو (تناسب لفظی) جو حد سے گذر کر ضلع جگت بن جاتی ہی سلمان ساوجی نے رواج دیا اور کچھ زمانہ تک بڑے زور و شور سے جاری رہی، ان صنعتوں کو عموماً شعرا نے محض صنعت کی حیثیت سے استعمال کیا یعنی اس لحاظ سے کہ اسکا التزام وقت آفرینی ہی اور وقت آفرینی ایک کمال کی بات ہی، اس عام رو سے خواجہ صاحب بھی نہ بچ سکے، چنانچہ مراعات النظیر اور ایہام و طباق انکے یہاں بھی جا بجا پائے جاتے ہیں، مثلاً،

تا دل ہرزہ گرد من رفت بہ چین زلف او — زان سفر دراز خود قصد وطن نمی کند

سخا نماند سخن طے کنم شراب کجاست — بدہ بہ شادی روح روان حاتم طے

ع نان حلال شیخ ز آب حرام ما

لیکن خواجہ صاحب نے زیادہ تر ان لفظی صنعتوں کو لیا ہی جنسے خوش آہنگی اور خوشنوائی پیدا ہوتی ہے، مثلاً،

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن — یار ما این دارد و آن نیز ہم

اس شعر میں این و آن کا جو مقابلہ ہی اسکو ایک سطحی النظر یہ خیال کریگا کہ مراعات النظیر یا صنعت اضداد ہی لیکن ایک صاحب ذوق سمجھ سکتا ہی کہ ان دو لفظوں کی آواز کا تناسب ایسا ہی جو خود بخود کانوں کو خوش معلوم ہوتا ہی اور موسیقی کی حیثیت سے دیکھیں تو گویا گیت کے اجزا ہیں، مثلاً،

قاصد حضرت سلمےٰ کہ سلامت بادا ‌‌‌‌ — چہ شود گر بہ سلامے دل ما شاد کند

اسمیں سلمیٰ سلامت اور سلام جو ملتے جلتے الفاظ آئے ہیں انسے عام آدمی کو صنعت اشتقاق کا خیال پیدا ہوگا، لیکن اصل میں یہ متناسب الفاظ ذرا ذراسے فاصلہ پر بار بار آکر کانونکو خوش آیند معلوم ہوتے ہیں مثلاً

اے صبا گر بہ جوانان چمن باز رسی ‌‌‌‌ — خدمت از ما برسان سرو و گل و ریحان را

اس شعر میں سرو گل و ریحان جو الفاظ آئے ہیں، عام لوگ انکا نام مراعات النظیر یا صنعت اعداد وغیرہ رکھینگے لیکن اس شعر کی بحر اور اسمیں خاص ان متناسب الوزن الفاظ کا اخیر میں آنا ایک خوشنوائی پیدا کرتا ہی جو دوسری صورت میں ممکن نہ تھی حالانکہ یہ ممکن تھا کہ وہ صنعتیں باقی رہتیں،

خواجہ صاحب کے کلام میں جہاں اس قسم کی صنعتیں نظر آئیں غور سے دیکھو تو انمیں دراصل خوشنوائی اور خوش آہنگی کا وصف ملحوظ ہوتا ہی، ملاحظہ ہو،

اعتمادے نیست بر دور جہان ‌‌‌‌ — بلکہ بر گردون گردان نیز ہم
از بہر بوسۂ لبش جان ہمی دہم ‌‌‌‌ — اینم ہمی ستاند و آنم نمی دہد
شیوۂ ناز تو شیرین خط و خال تو ملیح ‌‌‌‌ — چشم و ابروی تو زیبا قد و بالای تو خوش
بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت ‌‌‌‌ — کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را
گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت ‌‌‌‌ — ور ز ہندوی شما بر من جفائی رفت رفت
برق عشق از خرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت ‌‌‌‌ — جور شاہ کامران گر بر گدائے رفت رفت

غور کرو ان اشعار میں جہاں جہاں مکرر الفاظ آئے ہیں کس قدر کانون کو خوش معلوم ہوتے ہیں ظاہر بین اسکو صنعت تکرار کہدیگا، لیکن کیا ہر جگہ کسی لفظ کا مکرر آنا کوئی لطف پیدا کرتا ہی،

کاروان رفت و تو در خواب و بیابان در پیش ‌‌‌‌ — کے روی؟ رہ ز کہ پرسی؟ چہ کنی؟ چون باشی؟

مصرع اخیر میں تمکو خیال ہوگا کہ اسکی خوبی صرف یہ ہی کہ پے درپے سوالات آگئے ہیں جس سے صنعت استفہام پیدا ہوگئی ہی، لیکن اس سے قطع نظر کرکے دیکھو، یہ الفاظ کسطرح کانون کو ایک خاص تناسب کھٹکا دیتے ہیں، اور خوش آیند معلوم ہوتے ہیں،

خدا را رحمی اے منعم کہ درویش سر کوئیت ‌‌‌‌ — درے دیگر نمی داند رہ دیگر نمی گیرد

بندش کی چستی | بندش کی چستی ایک وجدانی چیز ہے اسکی تعریف اور تحدید نہیں ہو سکتی لیکن مذاق

صحیح آسانی سے اسکو احساس کرتا ہی، مثلاً ان اشعار میں باوجود اتحاد مضمون اور الفاظ کی بندش کی چستی کا جو فرق ہی ہر شخص محسوس کر سکتا ہے،

سلیم: مشاطہ را جمال تو دیوانہ مے کند — کآئینہ را خیال پری خانہ مے کند

صائب: دل را نگاہ گرم تو دیوانہ مے کند — آئینہ را رُخ تو پری خانہ مے کند

غنی: ہر کس کہ دید روی تو دیوانہ میشود — آئینہ از رُخ تو پری خانہ میشود

صائب: سرچشمۂ حیات لب می چکان اوست — عمر دوبارہ سایۂ سرو روان اوست

فطرت: عیش ابد بہ کام دل دردمند تست — عمر دوبارہ سایۂ سرو بلند تست

صائب: ہمیشہ صاحب طول امل غمین باشد — کہ چین بقدر بلندی در آستین باشد

بیدل: دستگاہ ہست ہر قدر بیش ہست کلفت بیشتر — در خور طول ہست چین جائی کہ دارد آستین

خواجہ صاحب جیسا کہ خود انھوں نے متعدد موقعوں پر تصریح کی ہی سلمان اور خواجو کی غزلوں پر غزلیں لکھتے ہیں ان غزلوں کے مقابلہ کرنیسے بندش کے زور اور چستی کا فرق صاف نظر آجاتا ہی،

سلمان:
ہمچنان مہر توام مونس جان ہست کہ بود — گوہر مخزن اسرار ہمان ہست کہ بود
ہمچنان ذکر توام ورد زبان ہست کہ بود — حقۂ مہر بدان مہر و نشان ہست کہ بود

خواجہ

مونس جان" کے قافیہ کے جواب میں خواجہ صاحب کا شعر ہے،

سلمان:
از صبا پرس کہ ما را ہمہ شب تا دم صبح — بوی زلف تو ہمان مونس جان ہست کہ بود
شوقم افزون شد و آرام کم و صبر نماند — عاشقان بندۂ ارباب امانت باشند

خواجہ:
در فراق تو وے عہد ہمان ہست کہ بود — لاجرم چشم گہربار ہمان ہست کہ بود

اس شعر میں سلمان کی بندش کی سستی صاف ظاہر ہے "در فراق تو" کا موقع پہلے مصرع کے ابتدا میں ہی، وہاں سے الگ ہو کر وسط کے ساتھ اسکی ترکیب بالکل بے مزہ ہو گئی ہے،

کے بود کے کہ بگویند سراسر اغیار — طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید

سلمان:
کہ فلان یار ہمان یار فلان ہست کہ بود — ہمچنان در عمل معدن و کان ہست کہ بود
در ازل عکس مئی لعل تو در جام افتاد — عکس روی تو چو در آئینۂ جام افتاد

خواجہ:
عاشق سوختہ دل در طمع خام افتاد — عارف از پرتو مئی در طمع خام افتاد

جام کے قافیہ میں حافظ کے اور اشعار ملاحظہ ہوں،

آن شدای خواجہ کہ در صومعہ بازم بینی — کار من بارخ ساقی و لب جام افتاد

عشق بر کشتن عشاق دل مے کرد — صوفیان جملہ حریف اند و نظر باز و لے

(سلمان) اولین قرعہ کہ زد بر من بدنام افتاد — زان میان حافظ سودا زدہ بدنام افتاد (حافظ)

خال مشکین تو در عارض گندم گون دید — در خم زلف تو آویخت دل از چاہ زنخ

آدم آمد ز پے دانہ و در دام افتاد — آہ کز چاہ برون آمد و در دام افتاد

ان اخیر کے دونوں شعروں کے مقابلہ سے بندش کی چستی کا مفہوم تم کو علانیہ واضح ہو جائیگا سلمان کا شعر اگرچہ معنی کے لحاظ سے بالکل ناموزون ہے چہرہ کو دام سے کوئی مناسبت نہیں بخلاف اسکے خواجہ صاحب نے ذقن کو چاہ اور زلف کو دام کہا ہے اور یہ عام مسلمہ تشبیہ ہے لیکن سلمان کے شعر میں بندش کی جو چستی ہے، خواجہ صاحب کے شعر میں نہیں مصرع آدم آمد ز پے دانہ و در دام افتاد آدم، دانہ، دام یہ الفاظ ایسی ترتیب اور خوبصورتی اور روانی سے جمع ہو گئے ہیں کہ مصرع میں نہایت چستی پیدا ہو گئی ہے خواجہ صاحب کا مصرع پھُس پھُسا ہے، اور خصوصاً آہ کے لفظ نے مصرع کو بالکل گرا دیا (خواجہ)

(سلمان) دام زلف تو بہر حلقہ طنابے دارد — آن کہ از سنبل او غالیہ تابے دارد (حافظ)

چشم مست تو بہر گوشہ خرابے دارد — باز با دل شدگان ناز و عتابے دارد

خون چشم من از آن ریخت کہ تا طعنہ برم — چشم من کرد بہر گوشہ روان سیل سرشک

کہ بہر شہر دم صاحب نظر آبے دارد — تا سہی سرو ترا تازہ بہ آبے دارد

رسن زلف تو سر رشتہ جان من و شمع — ماہ خورشید نمایش ز پس پردہ زلف

ہر یک از آتش رخسار تو تابے دارد — آفتابے ہست کہ در پیش سحابے دارد

آن کہ زاہد و دشرہ تیر و کمانے دارد — شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد

چشم ہا کردہ سیہ قصہ جہانے دارد — بندہ طلعت آن باش کہ آنے دارد

ان مقابلوں سے بندش کی چستی اور زور کا مفہوم اچھی طرح تمہاری سمجھ میں آگیا ہوگا اب خواجہ صاحب کے اشعار ذیل کو اس نظر سے دیکھو،

آن شمع سر گرفتہ دگر چہرہ بر فروخت — وان پیر سالخوردہ جوانی ز سر گرفت

آن عشوه داد عشق که مفتی ز ره برفت — وان لطف کرد دوست که دشمن حذر گرفت
زنهار ازان عبارت شیرین و دلفریب — گوئی که پستهٔ تو سخن در شکر گرفت
من ایستاده تا کنمش جان فدا چو شمع — او خود گذر بمن چو نسیم سحر نه کرد
ماهی و مرغ دوش نه خفت از فغان من — وان شوخ دیده بین که سر از خواب بر نکرد
بالا بلند عشوه گر سرو ناز من — کوتاه کرد قصهٔ زهد دراز من
دیدمش خرم و خندان قدح باده بدست — وندران آئینه صد گونه تماشا می کرد
گفتم این جام جهان بین بتو کے داد حکیم — گفت آن روز که این گنبد مینا می کرد
زلفین سیه خم بخم اندر زده باز — بخت من شوریده بهم بر زده باز
بر شیشهٔ صبرم زده سنگ ولیکن — با تو چه توان گفت که ساغر زده باز

ہمارے نزدیک حسن کلام کا بڑا جوہر یہی حسن بندش ہے،

جاحظ کا قول ہے کہ مضمون بازاریوں تک کو سوجھتے ہیں، جو کچھ فرق اور امتیاز ہے، لطف ادا اور بندش کا ہے، سیکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ ایک مضمون کسی شاعر نے باندھا بعینہ وہی مضمون دوسرے نے باندھا، الفاظ تک اکثر مشترک ہیں لیکن لفظوں کے الٹ پلٹ و ترتیب سے وہی مضمون کہاں سے کہاں پہنچ گیا،

شوخی و ظرافت — خواجہ صاحب کے کلام میں جا بجا شوخی اور ظرافت بھی ہے لیکن نہایت لطیف اور نازک ہے، شیخ سعدی اور خیام بھی ظرافت کرتے ہیں، لیکن زیادہ کھل جاتے ہیں، خواجہ صاحب کی شوخی طبع کی لطافت کو دیکھو

واعظ شہر کہ مردم ملکش می خوانند — قول ما نیز ہمین است کہ او آدم نیست

یعنی واعظ کو لوگ فرشتہ کہتے ہیں، اسقدر تو ہمکو بھی تسلیم ہے کہ وہ آدمی نہیں ہے (باقی فرشتہ ہے یا شیطان اسکا فیصلہ ہوتا رہیگا)

بکوی می فروشانش بجامے در نمی گیرند — زہی سجادهٔ تقوی کہ یک ساغر نمی ارزد
گر ز مسجد بخرابات شدم عیب مگیر — مجلس وعظ دراز است و زمان خواہد شد

یعنی میں اگر مسجد سے اٹھکر شرابخانہ میں چلا گیا تو اعتراض کی کیا بات ہے، وعظ تو ابھی دیر تک ہوتا رہیگا، میں پی کے چلا آؤنگا، (اسی مضمون کو قائم نے اردو میں ادا کیا ہے،

مجلس وعظ تو تا دیر رہے گی قائم — یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

حافظ — محتسب خم شکست و بنده سرش — سن بالسن والجروح قصاص

قرآن مجید میں قصاص کی آیت میں مذکور ہے کہ زخم کا بدلہ زخم ہے، مثلاً اگر کوئی کسی کا دانت توڑ ڈالے تو اسکا بھی دانت توڑ ڈالا جائیگا،

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ محتسب نے خم شراب کو توڑ ڈالا تھا، میں نے قصاص کے حکم کے موافق اسکا سر توڑ دیا

پدرم روضۂ رضوان بدو گندم بہ فروخت — ناخلف باشم اگر من بہ جوی نفروشم

میرے باپ (حضرت آدم) نے بہشت کو گیہوں کے بدلہ میں بیچ ڈالا تھا، میں اگر ایک جو کے بدلہ میں نہ بیچوں تو ناخلف ہوں،

من و انکار شراب این چہ حکایت باشد — غالباً این قدرم عقل کفایت باشد

میں اور شراب کا انکار! غالباً مجھے تو اتنی ہی عقل کافی ہے یعنی یہ سمجھ لوں کہ شراب چھوڑنا مجھکو زیبا نہیں، اس سے زیادہ عاقل اور دوراندیش ہونا مجھکو ضرور نہیں،

نہ ز بے عملی در جہان ملولم و بس — ملامت علما ہم ز علم بے عمل است

میں بیکاری سے (یعنی شراب وغیرہ کا مشغلہ نہیں ہے) دل گرفتہ ہوں بے عمل ہونا برا ہے اسی لئے عالم بے عمل بھی اچھا نہیں ہوتا،

نقد دلے کہ بود مرا صرف بادہ شد — قلب سیاہ بود بہ جائے حرام رفت

قلب دل کو بھی کہتے ہیں اور کھوٹے سکہ کو بھی، اس بنا پر کہتے ہیں کہ میرا قلب اگر شراب میں صرف ہوا تو ہونا ہی چاہیے تھا، مال حرام بود بجائے حرام رفت،

تسلسل مضامین ایشیائی غزل گوئی کا ایک بڑا عیب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی خیال کو مسلسل نہیں ظاہر کر سکتے، ہر غزل متعدد اور مختلف بلکہ متناقض مضامین کا مجموعہ ہوتی ہے، غزل کے جو مہمات مضامین ہیں مثلاً حسن عشق سراپائے معشوق، وصل، ہجر، ہزاروں دفعہ بندھے ہیں لیکن انہیں سے کسی مضمون کی نسبت کوئی مسلسل اور تفصیلی بیان کہیں نہیں مل سکتا، اگرچہ حقیقت میں یہ چنداں اعتراض کی بات نہیں، مسلسل خیالات کے لئے مثنوی کی صنف متعین کر دی گئی ہے، قصائد اور قطعات سے بھی یہ کام لیا جاتا ہے، غزل اس ضرورت کے خاص کر دی گئی ہے کہ چھوٹے چھوٹے مفرد خیالات جو شاعر کے دل میں آتے رہتے ہیں ضائع نہ جانے پائیں اس صنف کے لئے نہایت قادر الکلامی درکار ہے

یورپ کو اپنی شاعری پر ناز ہی لیکن وہ کسی خیال کو دو چار شعرون سے کم مین نہیں ادا کر سکتے بخلاف اسکی ہمارے شعرا نہ صرف چھوٹی چھوٹی باتین بلکہ نہایت وسیع اور بڑے مضامین کو بھی ایک شعر میں ادا کر دیتے ہیں، جو اختصار کی وجہ سے فوراً زبانون پر چڑھ جاتے ہیں تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض مضامین ایسے ہوتے ہیں جو نہ اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ اُنکے لئے مثنوی یا قصائد کی وسعت درکار ہو، نہ اتنے مختصر کہ ایک دو شعرون مین سما جائیں اسلئے اس قسم کے مضامین کیلئے غزلین ہی مناسب ہیں اس صورت میں ضرور ہی کہ غزل مسلسل ہو یعنی پوری غزل یا غزل کے متعدد اشعار ایک ہی مضمون کیلئے خاص کر دئے جائیں اس قسم کی غزل کا رواج اگرچہ عام نہیں ہوا تاہم جستہ جستہ پائے جاتے ہیں اور سب سے پہلے خواجہ صاحب نے اسکو ترقی دی انکی اکثر غزلون میں ایک خاص خیال یا ایک خاص سمان دکھایا گیا ہے اس قسم کی چند غزلون کے مطلع ہم نقل کرتے ہین،

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند — وندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

بود آیا کہ در میکدہا بکشایند — گرہ از کار فرو بستہ ما بکشایند

بامدادان کہ بہ خلوت گہ کاخ ابداع — شمع خاور فگند بر ہمہ اطراف شعاع

ای پیک پی خجستہ چہ نامی فدیت لک — ہرگز سیاہ چردہ ندیدم بہ این نمک

گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت — ور ز ہندوی شما بر من جفائی رفت رفت

کنون کہ در چمن آمد گل از عدم بوجود — بنفشہ در قدم او نہاد سر بسجود

(بہار کے ذکر مین ہے)

یاد باد آن کہ نہانت نظرے با ما بود — رقم مہر تو بر چہرۂ ما پیدا بود

پوری غزل میں پہلی دلچسپیون کو یاد دلایا ہی، اور ہر شعر یاد باد سے شروع ہوتا ہے،

خوشا شیراز و وضع بے مثالش — خداوندا نگہدار از زوالش

(شیراز کی تعریف میں ہے)

نسیم صبح سعادت بدان نشان کہ تو دانی — خبر بکوی فلان بر بدان زمان کہ تو دانی

(قاصد سے پیغام کہا ہے)

اطلاع [illegible]

مصنفہ مولانا عبدالحلیم صاحب شرر

خلافت

عمرو بن سعید۔ بانی خلافت بنی امیہ ۴ر

ابومسلم خراسانی۔ بانی خلافت عباسیہ ۴ر

سوانح ابوجعفر منصور
ابو دلامہ شاعر
محمد علی پاشا مصر
ان تینوں کے پورے حالات و سوانح

حالات اقوام کرد مصنفہ عبدالحلیم صاحب شرر اس قوم کی پوری الف اور انکی خانگی معاشرت اور سلطنت عثمانیہ سے ان کے تعلقات اور انکی بہادری اور اس کے ساتھ ترکان آل عثمان کے حالات بھی درج ہیں قیمت ۴ر

گلابے خاں کی سرگذشت یہ کتاب اپنے حالات میں بالکل نئی ہے جنکو زباندانی کا شوق ہو وہ اس کتاب کو ضرور خریدیں اول سے آخر تک تلازموں سے لبریز ہے قیمت ۶ر

بزم آخر بہادر شاہ اور اکبر شاہ کی طرز معاشرت اور سوانح اجڑنے والے دلی شہر کی آخری بہار جس نے دیکھی اس کے لکھنے پر بس نے لوٹتا ہو مسلمانوں اور مغل امپائر کا چراغ جس کو سمجھنے آخری وقت جھلملاتے دیکھا ہو اور اس کا گل ہونا بھی نظر سے گذرا ہو وہی اصلی رنج و الم سے بے اختیاری کے ساتھ دو آنسو بہا سکتا ہے قیمت مجلد ۱ار بغیر جلد ۸ر

بیان خسرو مصنفہ مولانا شبلی رح قیمت فی جلد ۸ر

ازواج النبی جس میں جناب سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کے پورے حالات و سوانح درج ہیں حضرت خدیجہ حضرت سودہ حضرت عائشہ حضرت حفصہ حضرت زینب حضرت ام سلمہ حضرت زینب بنت جحش حضرت ام حبیبہ حضرت جویریہ حضرت میمونہ حضرت صفیہ کے جدا جدا حالات درج کئے گئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاحوں پر عیسائی اور دیگر معاندین اسلام اعتراض کیا کرتے ہیں اس کتاب میں ان اعتراضوں کا قطعی جواب دیا گیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ آپ پر نکاح کسی خاص ضرورت و مصلحت پر مبنی تھا اور ان نکاحوں کی غرض خدا ترسی و ترقی اسلام تھی نہ معاذاللہ نفسانی خواہش بہر تقدیر یہ نہایت ضروری کتاب ہے جسے ہر مسلمان کے زنانخانہ میں ضرور رہنا چاہیئے قیمت ۱ر

سیرۃ النعمان

یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رح کوفی کی سوانح عمری حصہ اول و دوم اس کتاب میں امام صاحب کا نام و نسب ولادت و سن رشد تعلیم و تربیت شیوخ حدیث درس و افتا بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات و عام حالات اخلاق و عادات مناظرہ ذہانت طباعی تفصیل سے مذکور ہے دوسرے حصہ میں امام صاحب کے اصول مسائل جو علم کلام اور فن حدیث سے متعلق ہے تفصیلی بحث ہے اور اسانید کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ فن حدیث میں آپ کا کیا پایہ تھا۔

قیمت فی جلد عیر

حیات سعدی

یعنی سوانح عمری شیخ سعدی شیرازی مصنفہ مولینا شبلی نعمانی رح قیمت فی جلد ۸ر